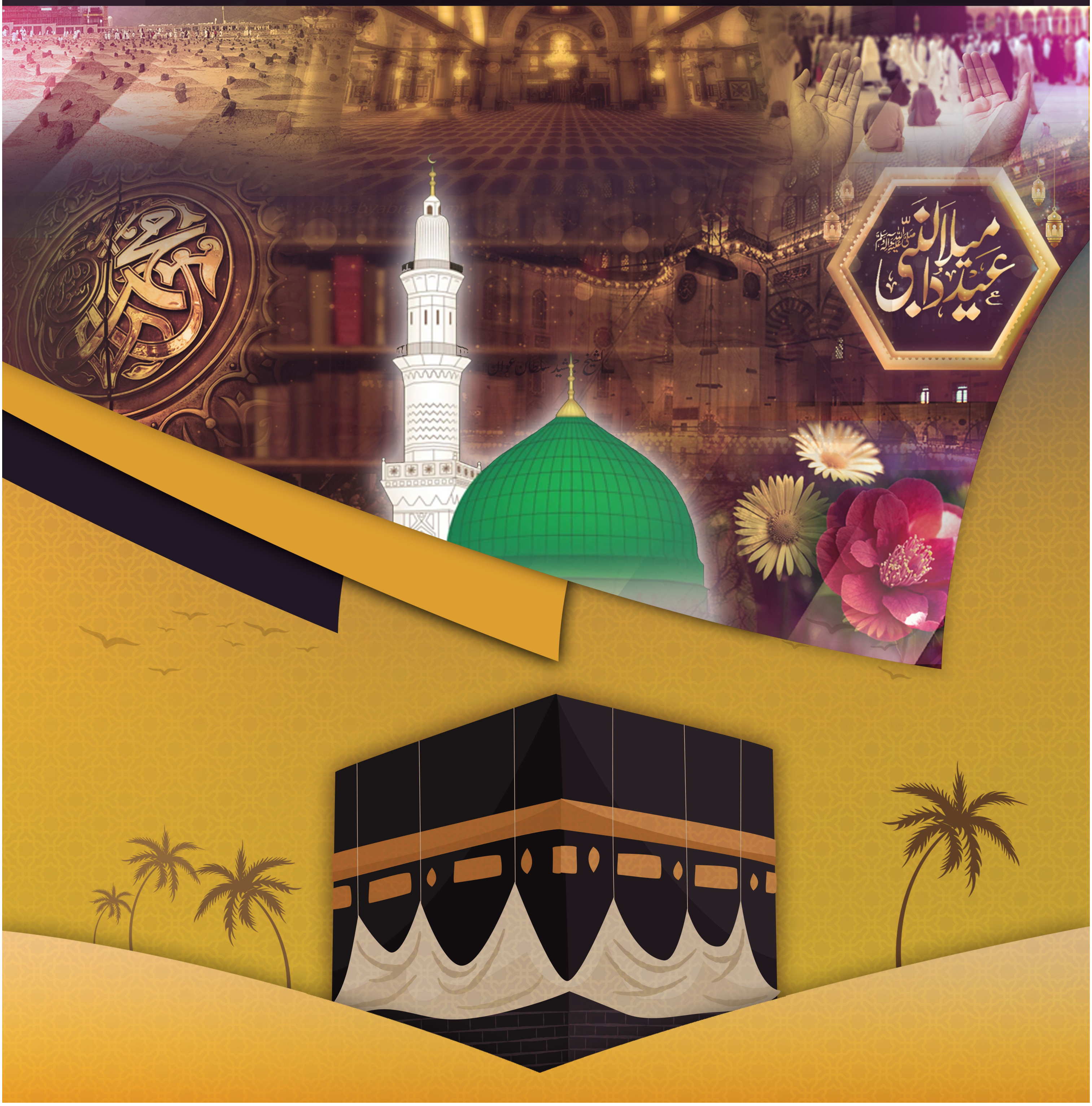
ماهنامہ

صراطِ مستقیم

برمنگھم

September 2023



وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 43 No. 11 September 2023

Safar/ Rabi ul Awal 1445 AH

جلد: 43 شمارہ: 11 ستمبر 2023ء

صفر ربیع الاول: 1445ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRAT-E-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk



اسلام پر زندہ رہنا اور ایمان پر موت کا آنا آدمی کی اصل کامیابی ہے

مولانا محمد عبدالحفیظ اسلامی

انسان جب اپنے خالق و مالک سے غافل ہو جاتا ہے اور اس غفلت کو دور کرنے کیلئے تشریف لانے والے انبیاء و مرسلین کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیتا ہے، جو اصل میں اسی مالک و آقا کی طرف سے مبعوث کئے جاتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ

لوگو تم ایک "مالک اور پروردگار عالم کے غلام ہو لہٰذ اپنے آقا کی مرضیات کے عین مطابق اپنی زندگی کے شب و روز گذارو تو تمہارا آقا تم سے خوش ہو گا اور تمہیں انعام و اکرام سے نوازے گا، الغرض اس کے جواب میں دو طرح کے گروہ ہو جاتے ہیں۔ جن میں ایک "منکر" اور دوسرا "مسلم" اس طرح انبیاء و مرسلین کا ایک عظیم سلسلہ چلتا رہا اور اس کا خاتمہ حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی بابرکت پر ہوا اور آپ ﷺ بھی وہی چیز دنیا والوں کے سامنے پیش فرمائی جو بنیادی طور پر ایک ہی ہے یعنی اے لوگو تم اپنے مالک حقیقی کو پہنچانو اور اپنے خود ساختہ طرز حیات کو چھوڑ کر میرے بتائے جانے والے راستہ پر گامزن ہو جاؤ جس میں فائدہ ہی فائدہ ہے، اور فلاح و کامیابی کی اس سے بہتر اور دوسری چیز تمہارے لئے ہو ہی نہیں سکتی، میں یہ بات اپنی طرف سے تمہیں نہیں بتا رہا ہوں بلکہ میرا رب جو تمہارا بھی رب ہے اور سارے جہاں کا رب ہے اس نے مجھے اپنا رسول بنا کر تمہاری رہنمائی و رہبری کیلئے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے جس کا نام "دین اسلام ہے۔ اب اس دین اسلام پر انسان کو قائم رکھنی والی اولین جو چیز ہے وہ یہ کہ

"اللہ تبارک و تعالیٰ کی یکتائی "یعنی توحید باری تعالیٰ کا عقیدہ ۔ دوسری چیز رسالت اور تیسری چیز آخرت اس طرح توحید رسالت آخرت پر ایمان و یقین کے ساتھ انسان دائرے اسلام میں داخل و شامل ہو جاتا ہے۔

لیکن اس کے کچھ لازمی شرائط ہیں جو عملی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں جسے قرآن حکیم اعمال صالحات کے نام سے پیش کرتا ہے جس کے بغیر انسان کامیابی کی منزل کو پہنچ نہیں سکتا اس طرح ایمان و عمل صالح لازم و ملزوم ہے۔ اللہ پر ایمان لاکر اس کے عین مطابق عمل اختیار کرنے والوں کو قرآن حکیم اس طرح خوشخبری دیتا ہے۔

﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾

"اور اے پیغمبر جو لوگ اس کتاب پر ایمان لے آئیں اور (اس کے مطابق) اپنے عمل درست کرلیں انہیں خوشخبری دیجئے کہ ان کیلئے ایسے باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔" (سورۃ البقرہ:25)

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے اس بات کی نشاندہی ہو رہی ہے کہ انسان اس وقت تک کامیاب و کامران نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے اور اعمال صالحات اختیار نہ کرے۔ اس سلسلہ میں سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

عمل صالح وہ ہے جس میں چار چیزیں ہوں:

علم، نیت، صبر اور اخلاص (مظہری) اس طرح اب ہمارے سامنے یہ بات صاف طور پر روز روشن کی طرح آرہی ہے کہ جنت و درجات جنت کا حقیقی امیدوار و مستحق وہی انسان ہو سکتا ہے جو ایمان و عمل صالح ان دونوں سے متصف ہو۔

انسان کیلئے جتنا ضروری ہوا پانی اور غذا ہے جس پر انسان کی زندگی کی عمارت قائم ہے اس سے کہیں زیادہ اس کے لئے ضروری چیز اسلامی زندگی اور اسلام پر قائم رہنا ہے اس لئے کہ اسلام خدائی دین رحمت ہے اور سارے انبیاء کا دین ہے، لہٰذا اسے قبول کرتے ہوئے اس پر قائم ہو جانے میں ہی بھلائی رکھدی گئی ہے اور اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور طریقہ اختیار کرنا اپنے آپ کو ہلاکت و بربادی میں ڈالدینا ہے۔ اس سلسہ میں ارشاد ربانی یوں ہوا:

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

"اب جو شخص بھی گھاٹے سے بچنا چاہتا ہو اور اللہ تعالیٰ کا تابع فرمان بن جانا چاہتا ہوں اس کے لئے سوائے اسلام اور اسلامی طرز حیات کے کوئی اور راستہ ہی نہیں ہے۔" (سورۃ آل عمران 85)

آیت مذکورہ بالا میں یہی بات بتلائی گئی کہ "اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا۔"

نبی مکرم آنحضور ﷺ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی اور اس میں آپؐ نے یہ دعا فرمائی جو اسلام کی زندگی اور ایمان کی موت کی اہمیت کو واضح کرتی ہے جس کے راوی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس دعا کہ آخر حصہ کو یہاں نقل کیا جاتا ہے جو کہ مضمون کا اصل عنوان ہے۔

اَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ،

وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ

(سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم)

"اے اللہ! ہم میں سے جسے تو زندہ رکھے، اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جس کو موت دے اسے ایمان پر موت دے۔"

نبی کریم ﷺ کی مذکورہ بالا دعا پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک جامع دعا ہے جو آپ ﷺ نے فرمائی ہے حقیقت بھی یہی ہے کہ

بندہ مومن و مسلم کی یہی شان ہے کہ وہ مرتے دم تک اللہ کی فرماں برداری اور وفاداری پر قائم رہے قرآن حکیم بھی اسی بات کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

فرمان حق تعالیٰ یوں ہوا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔" (سورۃ آل عمران:102)

اب ایک سوال ابھر کر سامنے آتا ہے کہ

ایک ایمان والا ہے اور اس کا خاتمہ خیر نہ ہو؟ کیا یہ ممکن ہے؟

ہاں یہ بات ممکن ہے جب ہی تو قرآن میں اس بات کی تاکید آئی ہے کہ

اللہ سے ڈر کر زندگی بسر کرو پورے اخلاص کے ساتھ اور اس بات پر خبردار کیا جارہا ہے کہ مرتے دم تک مسلمانیت کا حق ادا کرتے رہنا اور نبی مکرم ﷺ بھی ہمارے لئے یہی دعائیہ کلمات کو چھوڑا ہے جس میں اللہ سے یہ التجا کی جاتی ہے کہ اے اللہ ہماری پوری زندگی اسلام کے تقاضوں کے عین مطابق گذر جائے اور ہمارا خاتمہ ایمان کی حالت میں ہو۔

اصل میں ہوتا یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی زندگی خدا و رسول کی اتباع و پیروی میں گذارتا ہے لیکن شیطان جو انسان کا کھلا دشمن ہے اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو راہ حق سے بھٹکا کر ایمان اور عمل صالح کے منافی کام کروا کر کفر میں مبتلا کردے۔

مثلاً، مال کی محبت میں گرفتار ہو کر حلال و حرام میں تمیز نہ کرنا، اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر حق و انصاف سے پھر جانا، رشتہ داری و برادری کا لحاظ کرتے ہوئے عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینا، تکبر و کبر نفس میں مبتلا ہو کر اپنی زبان سے ایسے کلمات ادا کرنا جس سے فرعونیت ٹپکتی ہو، مرنے سے پہلے یا مرتے مرتے غلط قسم کی وصیت یا تاکید کرجانا جس سے حق داروں کا حق ضائع ہو کر رہ جائے۔

موروثی جائیداد یا دیگر مال و متاع میں بہنوں بھائیوں کو محروم کردینا یہ اور اس طرح کے دیگر چیزیں دراصل آدمی کیلئے ایمان کی ہلاکت و خسران آخرت کا باعث بن جاتی ہیں۔

علاوہ ازیں کسی شخص کو کسی معاملہ کی یکسوئی کیلئے دیندار بزرگ سمجھ کر بڑا بنالیا جاتا ہے یا کسی رقمی لین دین کے سلسلہ میں نزاع پیدا ہونے پر یا پھر کسی قضیہ کے موقع پر "حکم" (ثالث، پنچ، منصف) بنایا جاتا ہے تو ایسے موقع پر حق و ایمان کے ساتھ فیصلہ صادر کرنا اہل ایمان کی شان ہے ورنہ آدمی اگر اپنے مفاد کو پیش نظر رکھے اور اپنی اولاد یا رشتہ دار کو فائدہ پہنچانے کیلئے ناحق فیصلہ کردے جبکہ وہ سب قضیہ اور معاملہ کی گہرائی سے بخوبی واقف بھی ہو، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ فاسق کا نام دیا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے اس کی اطاعت کی حد سے نکل نکل جاتا ہے، غرور نفس اور اپنی بزرگی کی دھاگ جماتے ہوئے حدود اللہ سے آگے نکل کر طبع زاد فیصلہ کردینا گویا کہ شیطان کے ہاتھ پر بیعت کرلینا ہے۔

جھوٹے مقدمات کذب بیانی اور ظالموں کی وکالت اور اس قبیل کی جتنی بھی برائیاں ہیں یہ سب کے سب آدمی کے اسلام اور ایمان کو بگاڑ دیتی ہیں جو لوگ اپنے مقدمات جو کہ جھوٹ پر مبنی ہوتے ہیں اپنے حق میں کروانے کیلئے قاضی، حکم، یا منصف کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ کسی بھی طرح مقدمہ جیت جائیں اور جیت بھی جاتے ہیں خواہ جھوٹے دستاویز بنا کر اور جھوٹی شہادت پیش کرتے ہوئے یا رشوت کے بل بوتے پر یا پھر اقتدار کا سہارا لے کر ایسے لوگوں کو جان لینا چاہئے کہ دنیا کہ چند روز کی زندگی کیلئے آخرت کی ابدی زندگی کو عذاب میں مبتلا کردینا بڑے گھاٹے کا سودا ہے اور یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ

دنیا کی عدالتوں کے ختم ہونے کے بعد ایک عظیم عدالت قائم ہونے والی ہے جس میں شروع دنیا سے لے کر ختم دنیا تک جتنے بھی غلط فیصلہ دنیا میں ہوچکے ہوں گے اس میں مظلوموں کی دادرسی ہوگی اور ظالموں کو سزاء دی جائے گی وہاں پر نہ کوئی وکالت کرنے والے وکیل ہونگے اور نہ ہی کوئی جھوٹی شہادت چلے گی اور نہ ہی وہاں پر کوئی رشوت لینے والا ہوگا اور نہ ہی کسی کا اقتدار و دبدبہ چلے گا وہاں تو صرف اللہ کی عدالت ہوگی اور اس عدل کی کرسی پر مالک یوم الدین جلوہ افروز ہوگا اور حق کے ساتھ فیصلے صادر ہوتے چلے جائیں گے اور اس وقت دنیا کے سارے ظالم و جابر اور اللہ کے حقوق کی ادائیگی سے جی چرانے والے اور اس کے بندوں کے حقوق کو دبانے والے شرمندہ حالت میں ہاتھ ملتے رہ جائیں گے اس لئے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے یہاں جو کچھ بویا جائے گا آخرت میں اسی مناسبت سے فصل کاٹنی پڑے گی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ

انسان کی آخرت کو تباہی میں ڈالنے والی چیز دنیا و لذات دنیا ہے جو ناجائز طور پر حاصل کی گئی ہے اس

سے اجتناب کرنا دانشمندی ہے حضور سید عالم ﷺ نے دانا اور ہوشیار شخص اس آدمی کے بارے میں فرمایا جو اپنے نفس کو قابو میں رکھتے ہوئے موت کے بعد کام آنے والے اعمال اختیار کیا ہو۔ جو شخص آگ سے بچالیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔

الغرض اب جو شخص بھی توحید، رسالت، آخرت پر ایمان رکھے گا اور اس کے مطابق اعمال اختیار کرے گا اور خیر امت ہونے کے احساس کے ساتھ زندگی بسر کرے گا اور کلمہ حق کو بلند کرنے اور کلمہ کفر کو پست کرنے کیلئے جان ومال اس راہ میں لگائے گا وہ یقیناً اپنے آپ کو اس بات کا مستحق کرلیتا ہے کہ

وہ جب تک دنیا میں رہے مسلمان بن کر رہے اور جب موت آئے ایمان کے ساتھ آئے۔ اس بڑی کامیابی کیلئے دنیا کے سامنے دو بڑی اہم چیزیں موجود ہیں وہ ہے اللہ کی کتاب (قرآن مجید)

دوسرا سنت نبوی ﷺ

اس کے بغیر انسان راہ ہدایت پا نہیں سکتا اور اسے یہ معلوم ہی نہ ہو گا کہ وہ کون ہے کہاں سے آیا ہے وہ کس کا غلام ہے اور اس کا آقا کون ہے اسے کیا کچھ کرنا چاہئے اور کن چیزوں سے بچنا چاہئے، من چاہی زندگی گذارنے سے کیا نقصانات ہوں گے اور اپنے مالک حقیقی رب تعالیٰ کی مرضیات پر چلنے سے کیا فائدہ ہو گا اور کن انعام واکرام سے نوازے جائے گا۔ اسی کے پیش نظر حضرت سید عالم ﷺ نے حج وداع کے موقع پر جو خطبات ارشاد فرمائے ہیں اس میں خاص طور پر یہ بات تاکید کے ساتھ ارشاد فرمائی کہ

لوگو! میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جب تک تم اسے مضبوطی کے ساتھ تھامیں رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہوں گے ایک اللہ کی کتاب دوسرا میری سنت۔ آپ ﷺ کی اس تقریر پر عمل کرنے والے دنیا و آخرت میں کامیاب ہو کر رہتے ہیں اور قرون اولی میں اللہ تعالیٰ نے ایک کثیر جماعت صحابہ کو اس بات کی بشارت دے چکا کہ

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾

کیونکہ ان سعید روحوں نے جب تک دنیا میں رہے مسلمانیت کا حق ادا کیا اور اللہ پر ایمان لانے کا حق ادا کرتے ہوئے رسول ﷺ کی اطاعت کی اور اللہ ورسول سے والہانہ محبت رکھی اور ان کے حکم پر لبیک کہا اور اپنی جان ومال سب ان پر نچھاور کر دی۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان نیک لوگوں کے راستے پر چلا جس پر اس نے انعام فرمایا ہے اور ان لوگوں کے راستے پر چلنے سے ہمیں بچالے جس پر اللہ کا غضب ہوا اور جو ناکام ہو کر رہے۔ آمین۔

☆☆☆

صفر سے متعلق بعض مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ مہینہ منحوس اور خیر وبرکت سے خالی ہے بنابریں وہ اس مہینہ میں شادی بیاہ کرنے کو برا سمجھتے اور سفر کرنے سے باز رہتے ہیں، اور اپنے باطل عقیدے کے مطابق اس من گھڑت نحوست کو دور کرنے کے لئے چنے کو ابال کر خود کھاتے اور تقسیم کرتے ہیں اور اپنے اس عمل کو باعث برکت سمجھتے ہوئے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ چنے کو ابال کر کھانے اور کھلانے سے نحوست اور بے برکتی نکل جاتی ہے یہ بالکل مشرکانہ اور جاہلانہ عقیدہ ہے جو نام نہاد مسلمانوں میں موجود ہے، کیوں کہ اہل جاہلیت کے یہاں بھی ماہ صفر کو منحوس سمجھنا مشہور ومعروف تھا، وہ صفر کے مہینہ کو منحوس سمجھتے اور خیر وبرکت سے خالی خیال کرتے تھے اور نہ ہی مسرت وشادمانی کی محفلیں رچاتے اور نہ کوئی بڑا کام کرتے تھے اس خیال سے کہ اس میں کوئی نحوست نہ آجائے، حالانکہ فی نفسہ ماہ صفر برا نہیں ہے اور نہ ہی اس مہینہ میں سفر کرنا منع ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اس بدعقیدہ کی تردید فرمائی، چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ عَدْوَى وَلاَ طِيَرَةَ وَلاَ صَفَرَ»

"یعنی اللہ کے حکم کے بغیر کسی کی بیماری کسی کو نہیں لگتی، نہ بدفالی لینا درست ہے اور نہ صفر کا مہینہ منحوس ہے۔" (صحیح بخاری ومسلم)

اس حدیث کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے، اس لئے بیماری کے متعدی ہونے کا اور فال بد کا عقیدہ رکھنا اور ماہ صفر کو منحوس اور نامبارک سمجھنا یہ وہ امور ہیں جن سے دین اسلام کے صاف وشفاف چہرہ پر بدنما دھبہ پڑتا ہے، حالانکہ صفر کا مہینہ بھی سال کے دوسرے مہینوں کی طرح ہے، اس مہینہ کو کوئی ایسی خصوصیت حاصل نہیں جو دوسرے مہینوں سے اس کو الگ کر دے اور ماہ صفر کے متعلق جو صحیح احادیث پائی جاتی ہے۔ ان سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ

اس ماہ کو منحوس سمجھنا صحیح نہیں ہے، اس مہینہ کا اچھائی اور برائی میں، اللہ عزوجل کی بنائی ہوئی تقدیر میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

یہ مہینہ بھی دوسرے مہینوں کی طرح ہے جس میں خیر وشر وقوع پذیر ہوتا ہے، اس لئے ماہ صفر یا کسی اور مہینے کو منحوس سمجھنا صحیح نہیں ہے، ہر وہ مہینہ جس کو ایک مومن اللہ کی اطاعت میں لگادے وہ اس کے لئے بابرکت مہینہ ہے اور جس کو وہ اللہ کی معصیت ونافرمانی میں لگادے وہ اس کے لئے منحوس ہے، علمائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس مہینہ کو منحوس سمجھنا ایک ایسا عقیدہ ہے جو اسلام کی نظر میں باطل ہے اور اہل جاہلیت کا عقیدہ ہے۔

☆☆☆



الحمدُ لله والصلاة والسلامُ علیٰ رسول الله وعلیٰ آله وصحبه وأزواجه و من والاه وبعدُ،

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّـهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّـهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّـهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾

”مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے، اسی دن سے جب سے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے، ان میں سے چار حرمت و ادب کے ہیں، یہی درست دین ہے، تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، اور تم تمام مشرکوں سے جہاد کرو جیسے کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں، اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔“ (سورۃ التوبہ:36)

اس سے معلوم ہوا کہ سال میں بارہ مہینے مقرر کئے گئے ہیں ان میں تیسرا مہینہ ربیع الاول کا مہینہ ہے۔ چنانچہ ماہ ”ربیع الاول“ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے، جس کے بارے میں قُرآن و سنّت میں ایسی کوئی فضلیت نہیں ملتی جیسی رمضان کے مہینہ کی یا ذوالحج کے مہینہ کی ہے۔

لیکن ہمارے معاشرے میں اِس مہینہ کو بہت ہی زیادہ فضلیت والا مہینہ جانا جاتا ہے اور اِس کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ اِس ماہ کی بارہ تاریخ کو رسول اللہ ﷺ کی پیدائش ہوئی تھی، اور پھر اِس تاریخ کو عید کے طور پر منایا جاتا ہے، اور جو کچھ ”عید میلاد النبی“ منانے کے لئے کیا جاتا ہے وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں، مسلمانوں کا ایک مخصوص فرقہ اس پر بے وجہ کے دلائل دینے کی کوشش کرتا ہے۔ عید میلاد النبی کو عید ثالث کا نام بھی دیا جاتا ہے، سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اِس عید میلاد کی اپنی شرعی حیثیت کیا ہے ؟ اور اِس میں کئے جانے والے کاموں کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟ عام آدمی بھی جانتا ہے کہ عید کے دن میں اختلاف نہیں ہوتا۔ مثلاً عید الفطر یکم شوال کو ہوتی ہے، کبھی کسی نے نہیں کہا کہ اس مرتبہ عید 5 شوال کو ہوگی یا 28 رمضان کو ہوگی، ایسے ہی عید الاضحیٰ 10 ذوالحج کو ہوتی ہے، کبھی کسی نے نہیں کہا کہ اس مرتبہ عید الاضحیٰ 4 یا 5 ذوالحج کو منائیں گے۔ اس لیے کہ ان عیدوں کا اسلام نے ایک دن متعین فرمایا ہے۔ شروع اسلام سے لے کر آج تک ان میں اختلاف نہیں ہوا، اختلاف اس میں ہوتا ہے جسے بعد میں لوگ اپنی طرف سے شروع کر دیں، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے وہ دن مقرر نہیں کیا ہوتا یہی حال اس من گھڑت عید میلاد کا ہے کہ انسان شش و پنج میں پڑ جاتا ہے کہ وہ اگر اسے عید سمجھ لے تو کس دن منائے!

اس اختلاف کو ہم آپ کے سامنے مختصراً ذکر کرتے ہیں آپ غور فرمایئے ہر گروہ کے نزدیک رسولِ اکرم ﷺ کی پیدائش کا ایک علیحدہ دن ہے۔

1۔ پہلا قول: 5 ربیع الاول

امیر الدین نے ”سیرت طیبہ“ میں لکھا ہے ”قول مختار یہ ہے کہ 5 ربیع الاول کو آپ ﷺ پیدا ہوئے۔“ (سیرت طیبہ، ص:76)

2۔ دوسرا قول: 8 ربیع الاول

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ متوفی 751ھ نے لکھا ہے کہ ” جمہور اہلِ علم کا قول یہ ہے کہ 8 ربیع الاول کو رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔“ (زادلمعادج، ص:68)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

امام مالک، امام زہری، امام ابن حزم حافظ محمد بن موسیٰ الخوارزمی رحمۃ اللہ علیہم کی رائے ہے کہ

”ولادت رسول ﷺ 8 ربیع الاول کو ہوئی۔ اور ابو خطاب دحیہ نے اپنی کتاب ”التنویر فی المولد البشیر“ میں اسی رائے کو راجح کہا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ: 375/3)

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ

احمد بن البراء نے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ پیر کے دن 8 ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ (المنتظم فی تاریخ الأمم والملوک)

4۔ تیسرا قول: 9 ربیع الاوّل

برصغیر میں اکثر سیرت نگاروں نے 9 ربیع الاول کو یوم ولادت قرار دیا ہے۔ چند ایک حوالہ جات پیش خدمت ہیں:

سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں ”ہمارے نبی ﷺ موسم بہار، دوشنبہ کے دن 9 ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔“ (الرحیق المختوم (اردو): ص 83)

علامہ صفی الرحمن مبارکپوری نے اپنی مشہور کتاب ”الرحیق المختوم“ میں بھی 9 ربیع الاول کی تاکید کی ہے اور کہا کہ

محمود پاشا فلکی کی تحقیق بھی یہی ہے۔ (الرحیق المختوم (اردو) ص 83)

اکبر نجیب آبادی لکھتے ہیں:

”9 ربیع اول 571ء بروز سوموار از صبح صادق اور قبل طلوع آفتاب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے۔“ (تاریخ اسلام، اکبر نجیب آبادی: 72/1)

معین الدین ندوی کہتے ہیں:

"عبد اللہ کی وفات کے چند مہینوں بعد عین موسم بہار اپریل 571ء، 9 ربیع الاول کو عبد اللہ کے گھر فرزند تولد ہوا۔ بوڑھے اور زخم خوردہ عبد المطلب پوتے کی پیدائش کی خبر سن کر گھر آئے اور نو مولود کو خانہ کعبہ لے جا کر اس کے لیے دعا مانگی۔ (تاریخ اسلام، معین الدین ندوی: ص25)

احناف میں سے زاہد الکوثری اور ابو الحسن ندوی نے بھی ولادت رسول ﷺ کی تاریخ 9 ربیع الاول لکھی ہے۔

چودھری افضل حق:

20 اپریل 571ء مطابق 9 ربیع الاول دوشنبہ کی مبارک صبح قدسی آسمان پر جگہ جگہ سرگوشیوں میں مصروف تھے کہ آج دعائے خلیل اور نوید مسیحا مجسم بن کر دنیا میں ظاہر ہو گی۔ (محبوب خدا: ص20)

اسی طرح ابو الکلام آزاد نے "رسول رحمت" اور ڈاکٹر اسرار احمد نے "رسول کامل" صفحہ 23 اور حفظ الرحمن سوہیاروی نے قصص القرآن جلد 4 میں 9 ربیع الاول کو پیدائش کا دن قرار دیا ہے۔

4۔ چوتھا قول: 10 ربیع الاوّل

ابن سعد نے لکھا ہے کہ: ماہ ربیع الاول کی 10 راتیں گذریں تھیں کہ دوشنبہ کے دن رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے۔ (الطبقات الکبری لابن سعد: ص82)

5۔ پانچواں قول: 12 ربیع الاوّل

اور جن مورخین نے نبی ﷺ کی تاریخ ولادت 12 ربیع الاول کو راجح کہا ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

علامہ ابن کثیر ؒ لکھتے ہیں کہ

ابن اسحق اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں لکھا ہے کہ ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ عام الفیل میں 12 ربیع الاول کو پیر کے دن پیدا ہوئے۔" مزید کہا کہ یہی جمہور اہل علم کے یہاں بھی مشہور ہے، واللہ اعلم۔" (البدایۃ والنہایۃ: 3/ 375)

محمود احمد رضوی نے لکھا ہے:

" واقعہ فیل کے پچپن روز کے بعد 12 ربیع الاول مطابق 20 اپریل 571ء کو رسول ﷺ کی ولادت ہوئی۔" (دین مصطفیٰ ص:84)

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

" 12 ربیع الاول کو رسول ﷺ رونق افروز گیتی ہوئے۔" (ضیاء القرآن: 5/665)

12 ربیع الاول کی صبح صادق کے وقت مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کی ولادت ہوئی۔ (تبرکات صدر الافضل، ص:199)

6۔ چھٹا قول: 10 محرم

جبکہ شیخ عبد القادر الجیلانی رحمہ اللہ نے آپ ﷺ کی پیدائش کی تاریخ 10 محرم الحرام لکھی ہے۔ (غنیۃ الطالبین: 2/ 121)

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر میلاد کا دن منانا عبادت ہوتا یا کم از کم جائز ہی ہوتا تو مؤرخین اور علماء اہل سنت کا اس میں اتنا اختلاف نہ ہوتا اور اگر فرضاً مان بھی لیا جائے کہ آپ ﷺ کی ولادت کی تاریخ 12 ربیع الاول ہی ہو جبکہ اس میں مؤرخین کا شدید اختلاف ہے، تو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ: یہی تاریخ آپ ﷺ کی "تاریخ وفات" بھی ہے اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ملاحظہ فرمائیں:

تاریخ وفاتِ رسول ﷺ!

امام طبری ؒ نے لکھا ہے کہ

امام واقدی ؒ اور امام جعفر ؒ نے فرمایا کہ آپ ﷺ 12 ربیع الاول کو وفات فرما گئے۔ (تاریخ الطبری: 3/200)

امام ابن جوزی ؒ فرماتے ہیں:

آپ ﷺ 12 ربیع الاول پیر کے دن دوپہر وفات پا گئے۔ (المنتظم في تاريخ الأمم والملوك: 4/40)

اسی طرح سیدنا ابن عباس ؓ اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ سے بھی اسی تاریخ کی توثیق ہوتی ہے۔ (الطبقات الکبریٰ: 2/202)

لہٰذا مسلمان اس دن جشن یا عید کس طرح منا سکتے ہیں؟

اگر کوئی انسان کسی تاریخ کو پیدا ہوا ہو، اور اسی تاریخ پر اس کی وفات ہوئی ہو تو اس دن سوگ منایا جائے گا نہ کہ خوشی!

جس دن آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس دن کو تو صحابہ ؓ نے اپنی زندگی کا المناک دن سمجھا ہے۔

جیسا کہ بخاری شریف میں آتا ہے:

سیدنا عمر بن خطاب ؓ کا موقف:

سیدنا عروہ بن زبیر ؓ، سیدہ عائشہ ؓ زوجہ محترمہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ نے وفات پائی تو سیدنا ابو بکر ؓ مقام سخ میں تھے۔

(راوی حدیث اسماعیل کہتے ہیں کہ سخ مدینہ کے بالائی حصہ میں ایک مقام ہے)

سیدنا عمر ؓ یہ کہتے ہوئے کھڑے ہوئے کہ واللہ، رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی۔ سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ سیدنا عمر ؓ فرماتے تھے واللہ، میرے دل میں بھی یہی تھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اٹھائے گا اور آپ ﷺ چند لوگوں کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالیں گے،

اتنے میں سیدنا ابو بکر ؓ آ گئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور کھولا آپ ﷺ کا بوسہ لیا اور فرمایا: "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں آپ ﷺ حیات و ممات میں پاکیزہ ہیں اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ آپ کو دو موتوں کا مزہ کبھی نہیں چکھائے گا (یہ کہہ کر) پھر اس کے بعد باہر آ گئے اور عمر ؓ سے فرمایا:

اے قسم کھانے والے صبر کرو۔ جب سیدنا ابو بکر ؓ باتیں کرنے لگے تو سیدنا عمر ؓ بیٹھ گئے۔ پھر سیدنا ابو بکر ؓ نے اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور کہا خبردار ہو جاؤ جو لوگ محمد ﷺ کی عبادت کرتے تھے تو ان کو معلوم ہو کہ آپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور جو

لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں وہ مطمئن رہیں کہ اُن کا رب زندہ ہے جس کو کبھی موت نہیں آئے گی اور (قرآن کریم کی آیت دلیل کے طور پر بیان فرمائی) فرمایا: اللہ کا ارشاد ہے کہ

"آپ ﷺ یقیناً مر جائیں گے اور یہ لوگ بھی مر جائیں گے اور محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں۔ آپ ﷺ سے پیشتر بھی بہت سے رسول گزر چکے اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم مرتد ہو جاؤ گے؟ اور جو شخص مرتد ہو جائے گا وہ خدا تعالیٰ کو ہر گز کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا اور اللہ تعالیٰ شکر گزار لوگوں کو اچھا بدلہ دے گا۔" سب لوگ (یہ سن کر) بے اختیار رونے لگے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

"جس دن رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اس دن سے زیادہ قبیح اور تاریک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔" (دارمی، مشکوۃ: 2/540)

تو اس دن کو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تاریک دن سے تشبیہ دی ہے۔

ابن الحاج کہتے ہیں:

میرے تعجب کی تو حد ہی نہیں کہ کیسے یہ لوگ "میلاد" مناتے ہیں اور اس میں نغمے گاتے اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور اسے میلاد مصطفیٰ ﷺ سمجھتے ہیں جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اسی مہینہ مبارکہ میں آپ ﷺ اپنے کریم رب کی طرف تشریف لے گئے تھے اور امت کو اچانک دھچکہ لگا اور اُن پر عظیم مصیبت آن پڑی جس کی کوئی مثال نہیں، ہونا تو یہ چاہئے کہ ہر انسان کے دل میں اس دن غم کی سی کیفیت ہونی چاہئے اور اُسے رونا چاہیے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس دن بہت سے عجیب قسم کے رقص اور کھیل تماشہ برپا کئے جاتے ہیں اور نبی ﷺ کے فراق میں نہ ہی کوئی غم کرتا ہے اور نہ ہی روتا ہے۔ (المدخل لابن الحاج: 2/15)

میلاد النبی ﷺ کے نام پر جشن وعید کی ابتداء

عہدِ نبوی ﷺ عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم، نیز تابعین عظام رحمہم اللہ علیہم اور ان کے بعد کے ادوار میں "عید میلاد" کا کوئی تصور نہیں تھا، رسول اللہ ﷺ خود 63 سال کم و بیش حیات رہے اور سب سے آخری صحابیِ رسول نے 93ھ میں وفات پائی اور ان 143 سال میں کسی سے بھی 12 ربیع الاول کو عید منانا ثابت نہیں۔

کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین و تبع تابعین و ائمہ کرام رحمہم اللہ علیہم کو رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی خوشی نہیں تھی؟

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ بدعت بہت بعد میں ایجاد ہوئی یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس کا انکار میلاد منانے والے بھی نہیں کرسکتے۔

لہٰذا جب یہ بات مسلم ہے کہ اس عمل کی ایجاد بعد میں ہوئی تو ہمیں یہ ضرور پتہ لگانا چاہئے کہ اس کی ایجاد کب ہوئی؟ اور اسے ایجاد کرنے والے کون لوگ تھے؟

اس سلسلے میں جب ہم تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس بدعت کی ایجاد فاطمی دور (362ھ تا 567ھ) کے دوران ہوئی۔

اور اسے ایجاد کرنے والے بھی فاطمی خلفاء ہی تھے، اہل السنہ کے ائمہ نہیں۔

علامہ مقریزی لکھتے ہیں:

فاطمی خلفاء کے یہاں سال بھر میں کئی طرح کے جشن اور محفلوں کا انعقاد ہوتا تھا اور وہ یہ ہیں:

سال کے اختتام کا جشن، نئے سال کا جشن، یوم عاشوراء کا جشن، اور میلاد النبی ﷺ کا جشن۔ (الخطط المقریزیہ: 1/495)

یہی بات علامہ احمد قلشقندی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھی ہے۔ (صبح الأعشیٰ: 3/499، 498)

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اسلام میں میلاد کی مجلسوں کا رواج غالباً چوتھی صدی سے ہوا۔ (سیرۃ النبی: 3/664)

مذکورہ حوالوں سے معلوم ہوا کہ "عید میلاد" فاطمی دور (362ھ تا 567ھ کے درمیان) میں ایجاد ہوئی اور اسے ایجاد کرنے والے فاطمی خلفاء ہی تھے۔ (البدع الحولیہ: ص137 تا 151۔ اردو مترجم "اسلامی مہینوں کی بدعات")

فاطمی خلفاء کی حقیقت

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ اس بدعت کو ایجاد کرنے والے فاطمی خلفاء کون تھے؟

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ فاطمی خلفاء، آپ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل سے ہر گز نہیں تھے بلکہ یہ اپنی نسبت تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف کرتے تھے تاکہ لوگوں کو اہلِ بیت کا نام لیکر دھوکے میں مبتلا کیا جاسکے اور درحقیقت یہ لوگ یہودیوں اور مجوسیوں کی نسل سے تھے اور اسلام کے کٹر دشمن تھے، انہوں نے اسلام کو مٹانے کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا اور سراسر جھوٹ اور فریب کا سہارا لیتے ہوئے اپنے آپ کو فاطمی النسل ظاہر کیا، لیکن علماءِ وقت نے ان کے اس جھوٹ کا پردہ چاک کر دیا اور صاف اعلان کر دیا کہ یہ لوگ فاطمی النسل ہر گز نہیں ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں:

"واہل العلم بالأنساب من المحققین ینکرون دعواہ فی النسب "علم انساب کے ماہرین علماء نے ان کے فاطمی النسل ہونے کے دعوی کی تردید کی ہے۔ (وفیات الأعیان: 3/117، 118)

بلکہ 402ھ میں تو اہلِ سنت کے اکابر کی ایک میٹینگ ہوئی جس میں چوٹی کے محدثین، فقہاء، قاضیان اور دیگر بزرگان نے شرکت کی اور سب نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ دیا کہ

خود کو فاطمی النسل ظاہر کرنے والے خلفاء جھوٹے اور مکار ہیں اہلِ بیت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، پھر علماء کے اس متفقہ فیصلہ کو تحریری شکل میں لکھا گیا اور تمام حاضرین نے اس پر دستخط کئے۔ (البدایہ والنھایہ: 11/361، 360، اور اس کا اردو ترجمہ تاریخ ابن کثیر: 11/779، 780)

علماء کی اس متفقہ تحریر میں فاطمیوں کی حقیقت ان الفاظ میں واضح کی گئی ہے:

"مصر کا یہ بادشاہ حاکم اور اس کے تمام اگلے سربراہان، کافر، فاجر، فاسق، ملحد، زندیق، فرقہ معطلہ سے تعلق رکھنے والے، اسلام کے منکر اور مذہب مجوسیت اور ثنویت (بت پرستی) کے معتقد تھے۔ ان تمام لوگوں نے حدود شرعیہ کو بے کار کر دیا تھا حرام کاریوں کو مباح کر دیا تھا، مسلمانوں کا خون بے دردی سے بہایا، انبیاء کرام علیہم السلام کو گالیاں دیں، اسلاف پر لعنتیں بھیجیں، خدائی کے دعوے کئیے یہ ساری باتیں 402ھ میں ہر طبقہ کے بے شمار آدمیوں کی موجودگی میں لکھی گئی ہیں۔۔۔ اور بہت سے لوگوں نے اس میں دستخط کئیے ہیں اسی پر بس نہیں بلکہ بعض علماء نے اپنی بعض کتابوں میں ان کے کفر وفسق پر خصوصی بحث کی ہے مثلاً:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب 'فضائح الباطنیہ' میں ایک خصوصی بحث کرتے ہوئے انہیں خالص کافر قرار دیا۔ (فضائح الباطنیہ: 37/1)

بلکہ بعض علماء نے تو ان کے خلاف مستقل کتاب لکھ ڈالی ہے مثلاً: امام قاضی ابو بکر الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب لکھی اور اس میں ثابت کیا کہ فاطمی مجوسیوں کی اولاد ہیں اور ان کا مذہب یہود ونصاری کے مذہب سے بھی بدتر ہے۔ (کشف الا ستار و ہتک الاستار (مزید دیکھئے کتاب البدایہ و النہایہ: 540-537/15)

یہ تو علماء اہل سنت کا فیصلہ ہے، لطف تو یہ ہے کہ وہ معتزلہ اور شیعہ جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل کسی کو نہیں سمجھتے انہوں نے بھی فاطمیوں کو کافر اور منافق قرار دیا ہے۔ (مجموع فتاوی ابن تیمیہ: 129/35)

الغرض یہ کہ جمہور امت نے انہیں کافر وفاسق قرار دیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اسی طرح فاطمیوں کا نسب بھی جھوٹا ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جمہور امت فاطمیوں کے نسب کو غلط قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ مجوسیوں یا یہودیوں کی اولاد ہیں، یہ بات مشہور و معروف ہے اس کی گواہی حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، اہل حدیث، اہل کلام کے علماء، نسب کے ماہرین اور عوام وخواص سب دیتے ہیں۔" (مجموع فتاوی ابن تیمیہ: 35/ 128)

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ 'عید میلاد' کی ایجاد کرنے والے مسلمان نہ تھے بلکہ یہ یہودیوں اور مجوسیوں کی ایجاد ہے انہوں نے گہری سازش کر کے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور اپنی حقیقت چھپانے اور عام مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے خود کو فاطمی النسل کہا اور اپنے اس دعوی کو مضبوط بنانے کے لئے محبّت کے نام پر 'عید میلاد' کی رسم ایجاد کی، تاکہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ واقعی یہ لوگ اہل بیت میں سے ہیں۔

مسلمانوں میں اس بدعت کا رواج

فاطمی دور کے مسلمانوں نے فاطمیوں کی ایجاد کردہ بدعت کو قبول نہیں کیا اور یہ بدعت صرف فاطمی خلفاء ہی تک محدود رہی۔ لیکن تقریباً دوسو سال کے بعد "عمر بن محمد" نام کا ایک مُلا اور مجہول الحال شخص ظاہر ہوا اور اس نے اس فاطمی بدعت کی تجدید کی اور "ابو سعید الملک المعظم مظفر الدین بن زین الدین کوکبوری" نامی بادشاہ جو ایک عیّاش اور بد اخلاق بادشاہ تھا اور لہو لعب، گانے، باجے کی محافل میں مشغول رہنا اس کا مشغلہ تھا، بلکہ وہ صرف نچاتا ہی نہیں، خود بھی ناچتا تھا، اس بد اخلاق بادشاہ نے اس بدعت کو مسلمانوں میں رائج کیا۔ (تاریخ مرآۃ الزمان، وفیات الأعیان بحوالہ تاریخ میلاد: ص26،25)

اس کے بعد "ابو الخطاب بن دحیہ" نامی ایک کذاب اور بد دماغ شخص نے بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے اس موضوع پر ایک کتاب لکھ ڈالی، پوری دنیا میں اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے اس مؤلف کو تمام ائمہ کرام نے متفقہ طور پر کذاب (حد سے زیادہ جھوٹا) کہا ہے۔

ابن نجار کہتے ہیں:

"تمام لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابن دحیہ جھوٹا اور حدیثیں گھڑنے والا ہے اور یہ اس شخص سے روایت سننے کا دعوی کرتا جس سے اس نے ہر گز نہیں سنا اور اس شخص سے ملاقات کا دعوی کرتا جس سے وہ ہر گز نہیں ملا۔" (لسان المیزان: 295/4)

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں محدثین کا فیصلہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ابن دحیہ ائمہ اور سلف کی شان میں گستاخی کرنے والا تھا، یہ بدزبان، احمق اور بڑا متکبر تھا۔" (لسان المیزان: 296/4)

اور حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ابن دحیہ اپنی عقل سے فتوی دے دیتا پھر اس کی دلیل تلاش کرنے لگ جاتا اور جب اسے کوئی دلیل نہ ملتی تو اپنی طرف سے حدیث گھڑ کے پیش کر دیتا، مغرب کی نماز میں قصر کرنے کی حدیث اسی نے گھڑی ہے۔" (تدریب الراوی: 286/1)

قارئین کرام!

یہ ہے "جشن و عید میلاد" کی تاریخ:

جو فاطمیوں کے دور کی ایجاد ہے، اور اسے مسلمانوں میں رائج کرنے والے عیاش، فاسق و فاجر، گانے، باجے و شراب کے رسیا، انتہائی بداخلاق حکمران تھے، اور اس سے متعلّق روایات کو گھڑنے والے راوی، ائمہ کرام و محدّثین کے نزدیک انتہائی جھوٹے، کذّاب اور وضاع تھے اور اسے مسلمانوں میں ترویج دینے والے نام نہاد وحکمرانوں کا قرب رکھنے والے مُلا تھے، اگر کوئی بھی صرف انہی باتوں پر غور کرلے تو وہ یقیناً یہی فیصلہ کرے گا کہ اسلام میں اس عمل کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور سب سے بڑھ کر اگر اس عمل کا تعلق اللہ یا اُس کے رسول ﷺ کی محبّت سے ہوتا تو وہ اصحابِ محمد رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں

نے اپنی جانوں کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے لیے قربان کر دیا، وہ کم از ایک مرتبہ تو علی الاعلان یا خفیہ کبھی بھی میلادِ مصطفی ﷺ کے موقع پر جشن مناتے، جلسہ جلوس نکالتے، تقاریب منعقد کرتے، ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے وغیرہ وغیرہ جس کا ثبوت کوئی بھی کسی بھی معتبر حدیث و تاریخ کی کتاب میں صحیح سند سے ثابت شدہ روایت میں نہیں دکھا سکتا۔

'عید میلاد' کی شرعی حیثیت

قرآن و حدیث کی رو سے اس بات میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے کہ "عید میلاد" بدعات میں سے ایک بدترین بدعت ہے، بہت سارے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ قران وحدیث میں اگر عید میلاد کا حکم نہیں ہے تو اس کی ممانعت بھی نہیں ہے، حالانکہ یہ غلط خیال ہے کیونکہ عید میلاد کی ممانعت اور اس کا بطلان قران وحدیث دونوں میں موجود ہے لیکن قران وحدیث کی یہ دلائل دیکھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ

قران وحدیث میں بعض چیزوں کو عام طور پر باطل قرار دیا گیاہے اور کسی خاص چیز کا نام نہیں لیا گیاہے۔ لہٰذا یہاں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کی اس کی ممانعت قرآن وحدیث میں نہیں ہے، مثال کے طور پر پوری امت کے نزدیک کافر قرار دئے گئے "مرزا غلام احمد قادیانی "کا نام قران وحدیث میں کہیں نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود پوری امت کا ماننا ہے کہ قران وحدیث کی رو سے قادیانی کی نبوت باطل ہے، کیونکہ قرآن میں جو یہ کہا گیا کہ

آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں یعنی آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعوی کرے گا اس کی نبوت باطل ہے تو اس بطلان میں قادیانی کی نبوت بھی شامل ہے۔

اسی طرح حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا یعنی آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعوی کرے گا اس کی نبوت باطل ہے تو اس بطلان میں قادیانی کی نبوت بھی شامل ہے۔ ٹھیک اسی طرح عید میلاد بھی قرآن وحدیث کی رو سے باطل ہے۔

چنانچہ فرمان باری تعالی ہے کہ

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾

(سورۃ المائدۃ : 3)

"آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔"

یعنی اب اگر کوئی دین میں کسی نئی چیز کا دعوی کرے گا تو وہ باطل ہے، عید میلاد بھی دین میں نئی چیز ہے لہٰذا قرآن کی اس آیت کی روشنی میں باطل ہے۔

اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات نکالی جو دین میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے"(یعنی اُس کا وہ عمل بھی اور وہ خود بھی مردود ہیں۔) (صحیح بخاری: 2518)

اور عید میلاد بھی دین میں نئی چیز ہے لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں باطل ہے۔

نیز اللہ تعالی کا یہ بھی ارشاد ہے کہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّـهِ وَرَسُولِهِ﴾ (سورۃ الحجرات : 1)

"اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے مت بڑھو۔"

یعنی دین میں جس عمل کا حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ نہ دیں اسے مت کرو، اور جو دینی عمل خود پیغمبر ﷺ نے نہیں کیا وہ تم بھی نہ کرو، عید میلاد منانے کا حکم نہ اللہ نے دیا اور نہ ہی اس کے رسول ﷺ نے، اور یہ عمل بھی اللہ کے رسول ﷺ نے نہیں کیا۔ لہٰذا قرآن کی اس آیت کی رو سے بھی عید میلاد کی ممانعت واضح ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" پس جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا تو عنقریب وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا پس تم پر لازم ہے کہ تم میری سنت اور خلفائے راشدین جو کہ ہدایت یافتہ ہیں کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اسے نواجذ (ڈاڑھوں) سے محفوظ پکڑ کر رکھو اور دین میں نئے امور نکالنے سے بچتے رہو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" (سنن ابو داوٗد:1198)

یعنی دین میں جس عمل کا حکم نہ ہو اسے مت کرو۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عید میلاد قران وحدیث کی روشنی میں باطل اور ممنوع ہے۔ لہٰذا اب یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ عید میلاد منانے کا حکم نہیں ہے تو اس سے منع بھی نہیں کیا گیاہے کیونکہ قران و حدیث سے اس کا بطلان اور اس کی ممانعت گذشتہ سطور میں واضح کر دی گئی ہے۔

واضح رہے کہ جہاں تک رسول اکرم ﷺ سے محبت کا تعلق ہے تو اس سے کسی کو انکار نہیں، بلکہ حدیث رسول ﷺ کے مطابق ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ کے رسول ﷺ اس کے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں، لیکن محبت کا طریقہ بھی کتاب وسنت اور عمل صحابہ سے ثابت ہونا چاہئے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سب سے زیادہ اللہ کے نبی ﷺ سے محبت کرنے والے اور آپ ﷺ کی اتباع اور سنت کو جاننے میں سب سے زیادہ حریص تھے اور اس محبت اور حرص سنت کے باوجود تاریخ میں ان سے اور ان کے بعد والے اچھے دور (قرون الفاضلہ) میں سے کسی سے میلاد منانے کا ایک واقعہ بھی ثابت نہیں جو اس کے جائز ہونے پر دلالت کرے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ سے محبت تو ان کی سنت سے محبت کے ساتھ لازم وملزوم ہے۔

چناچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ﴾

اگر وہ تم جیسا یعنی (صحابہ جیسا) ایمان لائیں تو ہدایت

پائیں، اور اگر منہ موڑیں تو وہ صریح اختلاف میں ہیں۔ "(سورۃ البقرۃ : 137)

ایک اور فرمان ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (سورۃ النور : 63)

"سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔"

ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کیا ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ پیر کے دن اور جمعرات کے دن کا روزہ رکھنا کیسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن (یعنی پیر کے دن) میری پیدائش ہوئی اور اسی دن مجھ پر قرآن نازل کیا گیا۔ (یعنی شکرانے کے طور پر اس دن روزہ رکھنا پسندیدہ ہے، جو کہ ایک مسنون عبادت ہے۔) (سنن ابوداؤد: 2426)

یہ بھی جان لیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر پیر کے دن کا روزہ دو وجوہات کی بناء پر رکھتے:

ایک وجہ یہ کہ آپ ﷺ اس دن پیدا ہوئے اور دوسرا اسی دن آپ ﷺ پر قرآن نازل کیا گیا اور یہ روزہ 12 ربیع الاول کو نہیں رکھتے تھے بلکہ ہر پیر (سوموار) کو رکھتے تھے، یہ تھا رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اور سنت جبکہ آج کا میلاد! کیا کوئی روزہ رکھتا ہے؟ یہاں تو قسم قسم کے کھانے اور طعام و شرا باور مختلف انواع و اقسام کی ڈشز کا اہتمام کیا جاتا ہے کیا یہ آپ ﷺ کی اطاعت ہے یا مخالفت؟ یہ محبت ہے یا۔۔۔؟ رسول اللہ ﷺ اپنے ولادت کے دن اپنے رب کے لئے بھوکے پیاسے رہیں اور میلاد منانے والے؟

بدعتِ میلاد پر چند اہم اقوالِ سلف

شیخ عبدالرحمن مغربی حنفی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں کہ محفل میلاد امنعقد کرنا بدعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین اور ائمہ کرام نے نہ تو ایسا کرنے کو فرمایا اور نہ خود ایسا کیا۔" (اللجنہ لاہل السنہ: ص177)

امام ابو عبد اللہ ابن الحاض مالکی رحمہ اللہ اپنی کتاب "مدخل" میں فرماتے ہیں کہ

"ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو جو محفل میلاد قائم ہوتی ہے باوجود اس کے کہ یہ بذات خود بدعت ہے مگر اس میں بھی لوگوں نے خرافات و محرمات کا بہت اضافہ کر رکھا ہے کہیں سماع ہے کہیں غزل و نعتوں سے محفل کو آراستہ کیا جاتا ہے۔ بغیر فرش و فروش و دیگر اسباب زیب و زینت، آرائش و شرینی اور جھاڑ و فانوس تہ یہ محض پھیکی بلکہ ناروا سمجھی جاتی ہے۔ اسراف و فضول خرچی تو اسکی اول شرط ہے جب تک من گھڑت قصہ جات و بے سروپا حکایات کا تذکرہ نہ ہو تو مجلس ہر گز بارونق نہیں ہوتی۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ کی اس محفل کو کار خیر اور موجب برکت سمجھا جاتا ہے "افسوس صد افسوس!"

علامہ تاج الدین الفاکہانی مالکی اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"اس محفل میلاد کا قرآن و حدیث و امت محمدیہ کے ائمہ سے تو ہر گز کچھ پتہ نہیں چلتا ہاں شہوت پرست اور اکل و شرب کا الو سیدھا کرنے والوں کی یہ ایجاد البتہ ضرور ہے جس سے ہر مسلمان کو بچنا لازم و ضروری ہے۔"

امام ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد المجید مالکی اپنی کتاب "تکملۃ التفسیر" میں فرماتے ہیں کہ

"ماہ ربیع الاول میں جو محفل مولد قائم ہوتی ہیں علماء کو اس کی خوب زور سے تردید کرنی چاہئے۔"

علامہ محمد بن ابی بکر مخرومی مالکی اپنی کتاب "البدع والحوادث" میں فرماتے ہیں کہ

ہمارے زمانے میں بعض لالچی اور دنیادار مولوی میلاد کے نام سے ایک محفل قائم کرتے ہیں یہ نہایت ہی گندی رسم اور تباہ کن بدعت ہے گزشتہ امتوں کی تباہی کا سب سے بڑا سبب ایسی ہی بدعتیں ہیں اور یہ امت بھی احداث بدعت میں تباہ ہو گی۔"

علامہ ابو الحسن علی بن فضل مقدسی مالکی اپنی کتاب "جامع المسائل" میں فرماتے ہیں کہ

"محفل میلاد کا احداث تو قرون ثلاثہ کے بعد ہوا ہے سلف الصالحین سے اس کا جواز ہر گز ثابت نہیں پس ہم پر سلف صالحین کی اقتداء لازم ہے۔ احداث وبدعت کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔"

علامہ علاؤالدین بن اسمعیل الشافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب "البعث والنشور" کی شرح میں فرماتے ہیں کہ

"محفل میلاد قائم کرنے والوں کی خوب تردید ہونی چاہئے۔"

امام نصیر الدین الشافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

محفل میلاد نہیں کرنی چاہئے کیونکہ سلف الصالحین سے ایسا منقول نہیں ہے بلکہ یہ عمل قرون ثلاثہ کے بعد برے زمانے میں ہوا۔" (اللجنہ لاہل السنہ: ص177)

علامہ حسن بن علی کتاب" طریقہ السنہ " میں لکھتے ہیں کہ

جاہل صوفیوں نے ماہ ربیع الاول میں عید میلاد نکالی ہے شریعت میں اسکا کچھ اصل نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے۔" (اللجنہ لاہل السنہ: ص177)

علامہ ابن الحاج المالکی فرماتے ہیں کہ

"ان تمام بدعت میں سے جن لوگوں نے عقید تأ بڑی عبادات اور دین کی واضح علامت سمجھ کر ایجاد کیا ہے۔ ان میں عید میلاد النبی ﷺ بھی ہے جو وہ ماہ ربیع ا لاول میں مناتے ہیں حالانکہ وہ بہت سی بدعات و محرمات پر مشتمل ہے۔"

علامہ احمد بن محمد مصری المالکی اپنی کتاب "القول المعتمد" میں لکھتے ہیں کہ

چاروں مذاہب کے علماء اس عید میلاد کی مذمت پر متفق ہیں۔" (اللجنہ لاہل السنہ: ص178)

علامہ احمد بن حسن اپنے ملفوظات میں حافظ ابو بکر عبد الغنی بغدادی حنفی کے فتاوی سے ناقل ہیں کہ

محفل میلاد کا جواز جب سلف الصالح سے ثابت ہی

نہیں تو پھر ہم سلف الصالح سے بڑھ کر تو نہیں کہ خیر وبرکت کے لئے جمع ہو کر محفل میلاد قائم کریں ۔"

امام ربانی مجدد الف الثانی شیخ احمد سرہندی اپنے مکتوبات کے 223ویں مکتوبات میں مرزا حسام الدین احمد کے مراسلہ کا جواب فرماتے ہیں کہ

"آپ کو لکھا جاچکا ہے کہ سماع کے منع ہونے کا معاملہ میلاد کے منع ہونے کو بھی شامل ہے جو نعتیہ قصیدوں اور غیر نعتیہ شعروں کے پڑھنے سے مراد ہے۔ اگر بالفرض سیدنا ذیشان قدس سرہ اس وقت دنیا میں زندہ ہوتے اور یہ مجلس و اجتماع ان کی موجودگی میں منعقد ہوتی تو آیا آپ ﷺ اس اجتماع کو پسند کرتے ؟ فقیر کا یقین ہے کہ آپ ﷺ قدس سرہ ہرگز اس امر کو پسند نہ فرماتے بلکہ انکار کرتے۔" (مکتوبات:273)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

دیگر بدعات کی طرح محفل میلاد بھی صریح بدعت ہے اس کے موجدوں نے عیسائیوں کی چال پر میلاد عیسی کی طرح اپنے نبی سے محبت ظاہر کرتے ہوئے آپ ﷺ کی محفل مولد قائم کردی حالانکہ علماء کو آپ ﷺ کی تاریخ ولادت بھی یقینی طور پر معلوم نہیں پھر اس محفل کا سلف الصالح سے بھی کچھ ثبوت نہیں ملتا اگر یہ کار خیر ہوتی تو ضرور علمائے سلف اسے قائم کرتے کیونکہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ہم لوگوں سے بڑھ کر حصہ لیتے تھے پس جب اس محفل کا سلف الصالحین سے بھی کچھ ثبوت نہیں ملتا تو پھر اس کے احداث کی کچھ بھی ضرورت نہیں۔ (اقتضاء صراط مستقیم:ص234)

فرقہ بریلویہ کے مولوی عبد السمیع رامپوری خلیفہ مولوی احمد رضاخان بریلوی لکھتے ہیں کہ

"یہ سامان فرحت وسرور اور وہ بھی مخصوص مہینے ربیع الاول کے ساتھ اور اس میں خاص وہی بارہواں دن میلاد شریف کا متعین کرنا بعد میں ہوا یعنی چھٹی صدی کے آخر میں۔" (انوار ساطعہ:ص159)

محمد الصالحی الشامی جو السیوطی کے شاگرد تھے اور امام السخاوی رحمہ اللہ نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ

"میلاد منانا قرونِ ثلاثہ (ابتدائی تین صدیاں) میں کسی بھی سلف سے منقول نہیں بلکہ یہ اس کے بعد شروع ہوا۔" (سبل الہدی و الارشاد فی سیرۃ خیر العباد: 439/1)

اور اسی طرح ملا علی القاری الحنفی نے بھی اپنی کتاب "المورد الروی فی المولد النبوی" میں لکھا ہے۔ (المورد الروی فی المولد النبوی: ص24)

حرف آخر!

علامہ تاج الدین عمر بن علی فاکہانی مالکی رحمہ اللہ سے میلاد کے بارے میں سوال کیا گیا تو جواب میں آپ نے فرمایا:

مجھے اس میلاد کی کوئی اصل (دلیل) کتاب وسنت میں نہیں ملتی اور علماء امت میں سے کسی کا اس پر عمل منقول نہیں ہے جو دین کے رہنما اور سلف متقدمین کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں بلکہ یہ بدعت ہے جس کو اہل باطل نے نکالا ہے اور، جس کی طرف پیٹ کے پجاریوں نے اہتمام کیا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ہم اس پر شریعت کے پانچوں احکام کو تطبیق دیتے ہیں تو یہ واجب ہے یا مندوب ہے، مباح ہے یا مکروہ ہے یا حرام ہے، واجب تو یہ بالاجماع نہیں ہے۔ اور نہ مندوب ہے۔ وہ اس لئے کہ مندوب کی حقیقت یہ ہے کہ " شریعت اس کو طلب کرے، اور اس کو ترک کرنے پر گناہ نہ ہو۔" اور اس کی نہ شریعت نے اجازت دی نہ صحابہ نے اس پر عمل کیا اور نہ تابعین نے اور نہ علمائے باعمل نے، اور نہ اس کا مباح ہونا ممکن ہے، کیونکہ دین میں نئی بات داخل کرنا بالاجماع مباح نہیں ہے، تو اب مکروہ یا حرام ہونے کے علاوہ کوئی اور صورت باقی نہ رہی۔"

حرف آخر یہ کہ

ہم اللہ کے پیارے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں تو صرف ان اعمال کو بجالائیں جو ہم سے شریعت نے طلب کئے ہیں تو محبت کا دعویٰ سچ ہو جائے گا، جیسے اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّـهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّـهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّـهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ 0 قُلْ أَطِيعُوا اللَّـهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّـهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾(سورۃ آل عمران: 31-32)

"کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ کہہ دیجئے! کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرو، اگر یہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔"

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

سب سے بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ سب سے بری چیز (دین میں) نئی چیز پیدا کرنا ہے اور ہر نئی چیز بدعت ہے ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔" (المورد الروی فی المولد النبوی:ص24)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا:

"بلاشبہ اس امت کی عافیت اس کے شروع میں ہے اور اس کے آخر میں شدید مصیبتیں ہیں اور ایسے کام ہوں گے اگر تم انہیں دیکھ لو تو تم انکار کردو گے۔" (سنن نسائی: 1581)

اللّٰهم أرنا الحق حقا وارزقنا إتباعه وأرنا الباطل باطلا و ارزقانا إجتنابه.

و صلى الله تعالى على خير خلقه محمد ﷺ و على أله و أصحابه أجمعين

☆☆☆



نیک اور سعادت مند خاندان کی بنیادیں

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبد الباری بن عواض الثبیتی
محمد عاطف الیاس (فاضل ام القریٰ یونیورسٹی - مکہ مکرمہ)

پہلا خطبہ

ہر طرح کی حمد وثنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ اسی تخلیق کا آغاز کیا اور اسے راہ دکھائی، پھر حکم ونہی کے ذریعے ان کی رہنمائی کی اور انہیں بے سہارا نہیں چھوڑا۔ ان کے لیے راستے کی نشانیاں واضح فرمائیں، مینار نصب کیے اور علامات دکھائیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہٰ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے پیغام پہنچا دیا، امانت ادا کر دی، امت کو نصیحت کی اللہ کی رحمتیں ہوں آپ ﷺ پر، اہل بیت پر اور صحابہ کرام پر اور استقامت کے ساتھ قیامت تک ان کی پیروی کرنے والوں پر۔

بعد ازاں! میں اپنے آپ کو اور آپ سب کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ یہی نجات کا راستہ ہے اور دنیا وآخرت میں سعادت کا راستہ ہے۔

گھرانے معاشرے کی بنیاد اور اس بنیادی حصہ ہیں۔ چونکہ اس کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہے، اس لیے تمام قوانین اور نظاموں میں اس کے لیے تفصیلی قانون سازی کی جاتی ہے، جس کے ذریعے حقوق کا تعین ہوتا ہے، واجبات معلوم ہوتے ہیں اور زوجین کے کردار کی وضاحت ہوتی ہے۔ اسلامی شریعت نے بھی زوجین میں سے ہر ایک کے لیے موزوں احکام نازل کیے ہیں، جو ان کی جسمانی قوت کے لحاظ سے بھی مناسب ہیں، نفسیاتی طور پر بھی موزوں ہیں اور ان کی صلاحیتوں اور امکانات کے مطابق بھی ہیں۔

کسی سمجھ دار شخص کو اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہو سکتا کہ زوجین میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ ایک پر سکون، مستحکم اور ضروریات زندگی کو پورا کرنے والا گھرانہ تشکیل دے۔ جو ان کے، ان کی اولاد کے اور معاشرے کے اچھے مستقبل کا ضامن بھی ہو۔

اس معاملے میں عورت کا جو کردار ہے، اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے، کوئی اس کی جگہ لے ہی نہیں سکتا۔ وہی تربیت اور نصیحت کرنے والی ہے، اور بہترین مشورہ دینے والی ہے۔ وہ اپنے شوہر کا مضبوط سہارا بھی ہوتی ہے اور اپنے گھرانے کا بنیادی ستون بھی ہوتی ہے۔ وہی ہم دم ٹپکتا پیار اور رحم دلی کا پیکر ہوتی ہے۔ اس کے جانے کی تلافی نہیں ہو سکتی، بلکہ اس صورت میں گھرانے کی عمارت ہل جاتی ہے، اگر وہ اپنی ذمہ داریوں سے پیچھے ہٹ جائے تو گھرانہ نہ صرف کمزور ہو جاتا ہے، بلکہ سارے معاشرے کی بنیادیں ہلنے لگتی ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ کوئی کمپنی یا کاروبار یا ادارہ اس وقت تک نہیں چل سکتا جب تک اس کا کوئی سربراہ نہ ہو، جو اس کے معاملات کو چلائے، اور اس کا خیال رکھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾(سورۃ النساء:34)

”مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے اُن میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔“

اس لیے قوامیت ایک سرپرستی ہے، جو شوہر کو گھرانے کے معاملات چلانے کی صلاحیت دیتی ہے۔ وہ گھرانے کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس کے معاملات سنبھالتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے، اپنی بیوی اور اولاد کی ضرورتیں پوری کرتا ہے، ان کے لیے کھانا، لباس، رہائش اور نان نفقہ فراہم کرتا ہے۔ اپنی بیوی اور گھرانے کو تعلیم دیتا ہے اور ان کی نگہبانی کرتا ہے۔ یہ سرپرستی حقیقت میں مرد کے لیے ایک شرف بھی ہے اور ذمہ داری بھی، اس سے اس کی ذمہ داریوں اور بوجھ میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس معاملے میں گمراہی یہ ہے کہ اس سرپرستی کو للکارا جائے، شوہر سے وہ ذمہ داری چھیننے کی کوشش کی جائے، جو اللہ نے اس کے سر پر ڈالی ہے۔ اسی طرح یہ بھی بہت بڑی غلطی ہے کہ شوہر اپنی سرپرستی کو استعمال کرتے ہوئے شریعت اسلامیہ کی حدود سے تجاوز کر جائے۔ یہ دونوں چیزیں گھرانے اور معاشرے کو خراب کرنے والی ہیں۔

تاہم دیکھا یہ گیا ہے کہ بعض مرد حضرات سرپرستی کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے میں غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بعض تو ایسے ہیں کہ جو اپنے گھر والوں کے سر پر لٹکتی تلوار بن جاتے ہیں، زیادتی اور زبردستی کرتے ہیں۔ وہ اپنے گھر ایسے آقا کی طرح رہتے ہیں کہ جس کے حکم کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا، نہ اس کی رائے کے بارے میں کوئی کچھ کہہ سکتا ہے۔ وہ ایسے فیصلے بھی کر گزرتے ہیں جو بیوی کے مستقبل اور مصیر کے متعلق ہوتے ہیں، وہ بھی اس کی رائے اور مشورے کے بغیر۔ سرپرستی کی اس ذمہ داری کا غلط استعمال یوں بھی ہو سکتا ہے کہ اسے استعمال کرتے ہوئے بیوی کی تنقیص کی جائے یا اسے

ایسے کام کہیں جائیں جو اس کے بس میں نہ ہوں، مادی یا معنوی طور پر اسے ستایا جائے یا اس کی تذلیل کی جائے۔ اس سے بیوی کی صلاحیتیں اور قدرات کم ہو جاتی ہیں، اس کی شخصیت مسخ ہو جاتی ہے، وہ ذمہ داری میں شریک ہونے اور اولاد کی تربیت کے قابل نہیں رہتی۔ اس کی وجہ سے سارے گھرانے میں ہر قسم کی پیش قدمی کی صلاحتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔

دوسری طرف بعض لوگ ایسے ہیں جو اس سرپرستی کو صرف کھانا، پینا اور رہائش کی فراہمی تک محدود سمجھتے ہیں۔ انہیں یہ اندازا نہیں ہوتا کہ یہ کتنی بڑی ذمہ داری اور امانت ہے۔ یہ لوگ اپنے گھرانے کو بے لگام چھوڑ دیتے ہیں، اس ذمہ داری سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں جو ان کے کندھے پر ڈالی گئی تھی، بھول جاتے ہیں، یا دانستہ بھلا دیتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے اس ذمہ داری کے بارے میں پوچھے گا۔ ان کی فکر بس اتنی ہی ہوتی ہے کہ گھر جا کر سو جائیں۔ سونے سے پہلے اور سونے کے بعد وہ گھر سے باہر ہی رہتے ہیں، کسی محفل کی تلاش میں رہتے ہیں، یا تفریح کی کسی جگہ کو ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ سرپرستی کی اس ذمہ داری کو دیوار پر دے مارتے ہیں۔ ایسے غلط رویوں کی وجہ سے بکھرے ہوئے گھرانے سامنے آتے ہیں، جن کی بنیادیں انتہائی کمزور ہوتی ہیں، اس کے افراد بڑی آسانی سے پھسلائے جا سکتے ہیں، بد خواہوں کے جالوں میں پھنس جاتے ہیں، اور تباہ کن افکار کو اپنا لیتے ہیں۔

سرپرستی ایک ذمہ داری ہے، اور ذمہ داری کا حساب کتاب ہوتا ہے اور اس پر جزا سزا بھی ملتی ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص اس ذمہ داری کو نبھاتا ہے تو اسے اجر ملتا ہے، اگر نہیں نبھاتا، تو خود اللہ کی سزا کا مستحق بناتا ہے۔ اس لیے شوہر کو قائدانہ صلاحیتوں کا حامل ہونا چاہیے، اس میں احساسِ ذمہ داری ہونی چاہیے، اسے اس امانت کا احساس ہونا چاہیے جس کے ذریعے اللہ نے اسے بلند کیا ہے، اور جو اس کے کندھے پر ڈالی ہے۔ اس لیے اسے چاہیے کہ اپنے عظیم گھرانے کے معاملات کو احکامِ شریعت کے مطابق چلائے، مشکل حالات میں وقار اور عقلمندی کا مظاہرہ کرے، جذباتی مواقع پر بردباری کا مظاہرہ کرے، غصے اور غضب کی کیفیت میں صبر سے کام لے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أكملُ المؤمنينَ إيمانًا أحسنُهُم خلقًا، وخيارُكُم خيارُكُم لنسائِهِم»

"سب سے کامل ایمان اسی کا ہے جو بہترین اخلاق والا ہے، آپ میں سے بہترین وہ ہے، جو اپنی عورتوں کے لیے بہتر ہے"

سرپرستی کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی فرمان برداری کی نصیحت کی جائے، اسلامی شعائر کی ترغیب دلائی جائے، جیسے نماز اور روزہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾

"اپنے اہل و عیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو۔" (سورۃ طہ: 132)

اسی طرح شریک حیات اور زندگی کے ساتھی کا بھلے طریقے سے ساتھ نبھانا بھی سرپرستی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (سورة النساء: 19)

"ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرو۔"

اسی طرح سرپرستی میں یہ بھی شامل ہے کہ کہ بھلے طریقے سے تعامل کیا جائے، اچھے الفاظ بولے جائیں، گفتگو کے آداب کا خیال رکھا جائے۔ بیوی کو کوئی ایسا کام نہ کہا جائے جو وہ نہ کر سکتی ہو، اسے خوش کیا جائے، اس کی کمزوری میں اس کا ساتھ دیا جائے، کوتاہیوں سے تجاہل عارفانہ برتا جائے، ان چیزوں سے درگزر کیا جائے جو تعلق کے حسن پر اثر انداز ہوں، سختی اور بدتمیزی سے بچا جائے، اس کے لیے خوبصورتی اختیار کی جائے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

"إني أحب أن أتزين لامرأتي كما أحب أن تتزين لي".

"میں اپنی بیوی کے لیے تیار ہونا بھی پسند کرتا ہوں، جیسے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ میرے لیے تیار ہو"

اسی طرح سرپرستی میں یہ بھی شامل ہے کہ رازوں کو فاش نہ کیا جائے، عیبوں کو ظاہر نہ کیا جائے، بیوی کو یا اس کے گھر والوں کو برا کہنے یا لعن طعن کرنے سے بچا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ليس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذيء" (جامع ترمذی)

"مومن لعن طعن کرنے والا، فحش اور گندی زبان والا نہیں ہوتا۔"

اسی طرح فرمانِ نبوی ہے:

"إن من أشر الناس عند الله منزلة يوم القيامة الرجل يفضي إلى امرأته، وتفضي إليه ثم ينشر سرها" (رواہ مسلم)

"روزِ قیامت اللہ کے یہاں سب سے برا مقام اس شخص کا ہو گا جو اپنی بیوی کے پاس جاتا اور وہ اس کے پاس آتی، پھر وہ اس کا راز فاش کر دیتا۔"

ان سب چیزوں کو ایک ہی جملے میں سمیٹنے والی حدیث یہ ہے کہ

«استوصوا بالنساء خيرًا»

"میں آپ کو عورتوں کے متعلق نصیحت کرتا ہوں۔" (صحیح بخاری؛ صحیح مسلم)

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق میں یہ بھی شامل ہے کہ آپ ﷺ اچھا تعلق رکھنے والے تھے، ہمیشہ خندہ پیشانی سے رہتے تھے، اپنے گھر والوں سے دل لگی

کرتے تھے، ان کے ساتھ مزاح کرتے تھے، ان پر خرچ کرتے تھے، اپنی بیویوں سے ہنسی مذاق کرتے تھے ۔ وہ ان کے ساتھ پیار محبت قائم رکھتے تھے، ان کے کام کرتے تھے، ان کی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ صحیح روایت ہے کہ سیدہ عائشہ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ گھر میں کیا کرتے تھے؟ اس پر سیدہ نے کہا:

"كان يكون في مهنة أهله".

"اپنے گھر والوں کے کام کرتے تھے"

مشورہ ایک ایسا اصول ہے جس کی ترغیب اسلام نے دلائی ہے، اسے گھرانوں میں زندہ رکھا جائے تو وہ مزید مستحکم ہو جاتے ہیں، اس کے افراد ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے متحرک رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ (سورة البقرة: 233)

"پھر اگر دونوں باہمی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

بیوی شریک حیات اور ذمہ داری میں شریک ہوتی ہے، اللہ نے اسے جو عقل، دل اور جذبات دیے ہیں، ان کی بدولت وہ بہترین رائے دے سکتی ہے، اس لیے شریعتِ اسلامیہ نے گھر کو چلانے، شوہر اور اولاد کا خیال رکھنے میں اسے بھی ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ اس ذمہ داری کا تقاضا یہ ہے کہ اسے بھی فیصلوں میں شریک کیا جائے، اس کی رائے کا خیال رکھا جائے، اس کی رائے کو سنا جائے، اس کا احترام کیا جائے اور اس کی قدر کی جائے۔ اگر کوئی اختلاف رائے سامنے آ جائے تو پھر فیصلہ شوہر ہی کا ہے، اس کا حق ہے کہ بھلے طریقے سے اس کی اطاعت کی جائے۔ یہ فرمان برداری کوئی مطلق اور غیر مشروع فرمان برداری نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا طَاعَةَ في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف»

"اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں، بلکہ اطاعت تو نیکی میں ہے۔" (صحیح بخاری؛ صحیح مسلم)

نبی کریم ﷺ مردوں میں سب سے کریم بلکہ مردوں کے سردار تھے، انہوں نے بھی امت سے متعلقہ ایک مسئلے میں ام سلمہ سے مشاورت کی، صرف خاندانی معاملات میں مشاورت پر اکتفا نہ کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾

"مرد عورتوں پر قوام ہیں۔" (سورۃ النساء: 34)

مردانگی کے وصف کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ گھرانے کا سربراہ ایسا شخص ہونا چاہیے جس میں مردانگی کی صفات پائی جاتی ہوں، جیسے عقلمندی، حکمت، دل کی وسعت قلبی، دور اندیشی، بات چیت کرنے کی قدرت، گھرانے کے افراد کی نگہبانی کی قابلیت اور مسائل کے حل میں مہارت۔

اسی طرح سرپرستی کا تقاضا یہ ہے کہ معمولی اور بے حیثیت چیزوں میں مداخلت نہ کی جائے، لغزشوں کی تلاش نہ کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«خيركم خيركم لأهله، وأنا خيركم لأهلي»

"تم میں بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہے، اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہترین ہوں"

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن عظیم سے برکت عطا فرمائے! اس میں آنے والی آیات اور ذکر حکیم سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے عظیم اللہ سے ہر گناہ کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اسی سے معافی مانگو۔ یقیناً! وہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

اللہ کے لیے ویسی تعریف ہے جو اس کی جلالت کے شایانِ شان ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی حکومت اور بادشاہت میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ اللہ کی رحمتیں ہوں آپ ﷺ پر، اہل بیت پر اور صحابہ کرام پر۔

بعد ازاں! میں اپنے آپ کو اور آپ سب کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ﴾

"اللہ کے سے ڈرو، وہ تم کو صحیح طریق عمل کی تعلیم دیتا ہے۔" (سورۃ البقرۃ: 282)

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سرپرستی کا تقاضا یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کے حقوق ادا کرے، ان حقوق میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ بھلے کاموں میں اس کی فرمان برداری کرے، اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلے، جسے وہ پسند نہ کرتا ہو، اسے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دے، شوہر اور اولاد کے کام کرے، کیونکہ بیوی کا شرف اور بلندی اسی میں ہے کہ وہ اپنے شوہر کی فرمان بردار ہو۔

اللہ کے بندو! رسول ہدایت پر درود و سلام بھیجو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ کو یہی حکم دیا ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (سورۃ الأحزاب: 56)

"اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔"

اے اللہ! رحمتیں نازل فرما! محمد ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر، جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمتیں نازل فرمائی تھیں۔ تو بڑا قابل تعریف اور پاکیزگی والا ہے۔ اے اللہ! برکتیں نازل فرما! محمد ﷺ پر، آپ ﷺ کی آل پر، جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر برکتیں نازل فرمائی تھیں۔ تو بڑا قابل تعریف اور پاکیزگی والا ہے۔ ان سب پر سلامتی بھی نازل فرما! اے اللہ! خلفائے راشدین سے راضی ہو جا! اصحاب ہدایت اماموں سے، ابو بکر، عمر، عثمان اور علی سے، تمام اہل بیت اور صحابہ کرام سے راضی ہو جا۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! اپنی معافی، کرم نوازی اور احسان فرما کر ہم سب سے بھی راضی ہو جا۔

اے اللہ! اسلام اور مسلمانوں کو عزت عطا فرما! کفر اور کافروں کو رسوا فرما! اے اللہ! اپنے اور دین کے دشمنوں کو تباہ وبرباد فرما! اے اللہ! اس ملک کو اور تمام مسلمان ممالک کو امن وسلامتی نصیب فرما!

اے اللہ! ہم تجھ سے جنت کا اور جنت کے قریب لیجانے والے تمام اقوال واعمال کا سوال کرتے ہیں۔ آگ سے اور آگ کے قریب لیجانے والے تمام اقوال واعمال سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔ اے اللہ! ہم تجھ سے ساری خیر کا سوال کرتے ہیں۔ جلد آنے والی اور دیر سے آنے والی، اس برائی سے جس کا ہمیں علم ہے اور اس برائی سے جس کا ہمیں علم بھی نہیں ہے۔ ہر برائی سے تیری پناہ میں آتے ہیں۔ جلد آنے والی اور دیر سے آنے والی، اس برائی سے جس کا ہمیں علم ہے اور اس برائی سے جس کا ہمیں علم بھی نہیں ہے۔ اے اللہ! ہم خلوت وجلوت میں تیری خشیت کا سوال کرتے ہیں، غصے اور خوشی میں حق بات کہنے کی توفیق مانگتے ہیں، تنگی اور فراخی کے دور میں میانہ روی مانگتے ہیں۔ ہم تجھ سے بے انتہا نعمتوں کا سوال کرتا ہوں، آنکھوں کی ایسی ٹھنڈک مانگتے ہیں جو کبھی منقطع نہ ہو۔ تیرے چہرے کے دیدار کا لطف مانگتے ہیں، تیری ملاقات کا شوق چاہتے ہیں، مگر کسی نقصان کے بغیر، کسی گمراہ کن فتنے کے بغیر۔ اے اللہ! ہمیں بہترین سوال سجھا، بہترین دعا ہمارے دلوں میں ڈال دے، ہمیں بہترین کامیابی نصیب فرما، بہترین کامرانی عطا فرما، بہترین اعمال کی توفیق عطا فرما۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! بہترین دعائیں سجھا۔

اے اللہ! ہمارا ہر گناہ کو معاف فرما دے۔ ہماری ہر پریشانی کو دور کر دے، ہمارے قرض ادا کر دے، ہمارے ہر مریض کو شفا دے دے، ہمارے ہر آزمائش زدہ کو عافیت نصیب فرما دے، اپنی رحمت سے، اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے!

اے اللہ! ہمارے فوجی جوانوں کی حفاظت فرما! ہماری سرحدوں کی حفاظت فرما۔ اے پروردگار عالم! ہماری نگہبانی فرما۔ اے اللہ! جو اس ملک کے اور مسلمان ممالک کے خلاف چال چلے تو اسے خود ہی میں مصروف کر دے۔ اے پروردگار عالم! اسی کی چالوں میں اسے ہلاک فرما دے۔ اے اللہ! ہمارے امام اور حکمران خادم حرمین کو ان کاموں کی توفیق عطا فرما جن سے تو خوش اور راضی ہوتا ہے۔ اے اللہ! اسے ہدایت کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما! اے پروردگار عالم! اس کے اعمال اپنی رضا کے مطابق بنا۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! اس کے ولی عہد کو بھی ان کاموں کی توفیق عطا فرما جن سے تو خوش اور راضی ہوتا ہے۔ تمام مسلمان حکمرانوں کو کتاب وسنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما! اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! انہیں اپنی شریعت نافذ کرنے کی توفیق عطا فرما۔

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

"اے رب، ہم نے اپنے اوپر ستم کیا، اب اگر تو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا، تو یقیناً! ہم تباہ ہو جائیں گے۔" (سورۃ الأعراف:23)

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ (الحشر:10)

"اے ہمارے رب، ہمیں اور ہمارے اُن سب بھائیوں کو بخش دے، جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی بغض نہ رکھ، اے ہمارے رب! تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔"

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (سورۃ البقرۃ: 201)

"اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی! اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا!"

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾

"اللہ عدل، احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔ بدی، بے حیائی اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم سبق لو۔" (سورۃ النحل:90)

اللہ کو یاد کرو، وہ تمہیں یاد رکھے گا۔ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، وہ تمہیں مزید عطا فرمائے گا۔

﴿وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ﴾ (سورۃ العنکبوت: 45)

"اللہ کا ذکر اس سے بھی زیادہ بڑی چیز ہے اللہ جانتا ہے جو کچھ تم لوگ کرتے ہو۔"

☆☆☆



معروف خوشی اور غمی دونوں میں پسندیدہ وصف

مولانا محمد عبد الہادی العمری

المعروف یہ لفظ قرآن مجید اور احادیث میں متعدد بار استعمال ہوا ہے۔ اس کا اطلاق ہر اس بات ر فعل یا صفت پر ہوتا ہے جو بجائے خود بھلی ہو اور انسانی طبیعت اس کی طرف مائل ہوتی ہو۔ اس کے برعکس منکر ہے جو کسی بھی ناپسندیدہ فعل یا صفت کو کہا جاتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں ہر وہ بات، فعل یا صفت جس کا شریعت میں حکم دیا گیا یا پسند کیا گیا ہو اسے معروف کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی طبیعت میں خود اس کا ادراک رکھا ہے۔

﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوّاهَا 0 فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾(سورۃ الشمس)

اس کے باوجود اگر اس کا حکم بھی شریعت میں دیا گیا ہو تو اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے اور اس سے روگردانی منکر متصور ہوگی۔

المعروف کی اصطلاح قرآن مجید میں مختلف مناسبتوں سے استعمال ہوئی ہے، عقائد، عبادات، دعوت وارشاد، اخلاقیات اور معاملات وغیرہ وغیرہ ہر جگہ معروف کی اہمیت ہے، اسے اپنانے کا حکم دیا گیا، ان میں سے ایک اہم مسئلہ عائلی زندگی، ازدواجی تعلقات کے استحکام میں اسے بہت ہی نمایاں حیثیت حاصل ہے۔

دوسرے پارہ کے آخری حصہ میں میاں بیوی کے درمیان ہونے والی ناچاقیوں کی چند صورتوں کا ذکر کیا گیا، جس سے علیحدگی اور طلاق کی نوبت آسکتی ہے۔ وہاں خصوصیت سے اس کا حکم دیا گیا، سورۃ البقرہ کی آیات 226 سے 242 کے درمیان بارہ مرتبہ معروف کو اپنانے کا حکم دیا گیا۔

رشتے ناطوں کو خصوصاً شوہر اور بیوی کے رشتہ کو نبھانے کے لیے معروف کی بہت اہمیت ہے۔ اس کے بغیر میاں بیوی کا رشتہ برقرار نہیں رہ سکتا۔ حتیٰ کہ اگر ناگزیر اسباب سے تفریق یا طلاق کی نوبت پیش آجائے تب بھی اس نازک معاملہ میں معروف کے تقاضوں پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا۔ سورہ طلاق میں تین مرتبہ اس کو دھرایا گیا، کسی کلمہ کو بار بار دہرانا اور مختلف پیرایوں میں اس کا حکم دینا اس کی اہمیت کو واضح کرتا ہے اور اس سے اس میں پوشیدہ حکمتیں اور مصلحتیں بھی سامنے آتی ہیں، ورنہ اس تاکیدی حکم کی خلاف ورزی کے سبب جن دردناک حالات سے فریقین اور متعلقین کو گزرنا ہوتا ہے وہ کسی صاحب بصیرت سے مخفی نہیں۔ اس حکم عدولی کا خمیازہ، متعلقین کو زندگی بھر بھگتنا ہوتا ہے، جگہ جگہ ہمیں حسن معاشرت کا تاکیدی حکم دیا گیا، خصوصاً مردوں کو کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ معروف کا برتاؤ کریں۔

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾(سورۃ النساء:19)

اس کے بغیر شادی کے فوائد کا حصول ممکن نہیں۔

رشتے ناطوں کے مسئلہ میں تاکیدی حکم دیا گیا کہ

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ﴾(سورۃ النساء:1)

”کہ تم اللہ سے ڈرو، ان رشتوں کے متعلق، تم سے روز قیامت پوچھا جانے والا ہے۔“

دنیا میں کوئی طاقتور اور صاحب اثر ورسوخ ہو سکتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ طاقت آدمی کو مغرور بنا دے، یاد رکھو، کل قیامت کے دن سب کمزور ہوں گے، طاقت صرف اللہ ذوالجلال والاکرام کے پاس ہوگی اور وہاں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کی چند آخری وصیتوں میں سے ایک خواتین کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق تھی اور حجۃ الوداع کے موقع پر بھی آپ نے جو ہدایات دی، ان میں ایک خواتین کے ہی بارہ میں تھی کہ

«واستوصوا بالنساء خيرا»

”کہ عورتوں کے ساتھ بھلائی اور خیر کو لازم پکڑو۔“

(سنن ابن ماجہ:1851)

ویسے اسلامی تعلیمات میں حسن اخلاق کا حکم نہایت تاکید سے دیا گیا بلکہ اسے کمال ایمان قرار دیا گیا۔

«أكمل المؤمنين إيمانا أحسنهم خلقا وخيركم خيركم لنسائهم» (جامع ترمذی:1162)

ہمارے نبی کریم ﷺ کے ذاتی اخلاق کی خاص طور پر تعریف کی گئی۔

﴿ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾

”کہ آپ حسن اخلاق کی چوٹی پر ہیں۔“

آپ کے اخلاق کریمانہ کی صحابہ کرام کے علاوہ مشرکین عرب اور معاندین بھی تعریف کیا کرتے، سیرت وتاریخ کی کتابیں آپ کے اخلاق حمیدہ کے واقعات سے بھری پڑی ہیں، گھر والوں کے ساتھ آپ ﷺ کے سلوک کی عملی زندگی سے دو مثالیں بطور نمونہ ذکر کی جاتی ہیں۔

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی گواہی: جب پہلی وحی کے بعد غار حراء سے آپ ﷺ گھر تشریف لے آئے اور صورتحال کی خبر دیتے ہوئے انجانے خطرہ

سے آگاہ فرمایا:

«لقد خشيت على نفسي»

"تو ام المؤمنین نے پر اعتماد انداز میں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ "كلا والله ما يحزنك الله أبدا... "(صحیح بخاری)

"اللہ کی قسم! ہرگز ایسے نہیں ہو سکتا کہ آپ کو کوئی گزند پہنچے، پھر ایک ایک کر کے آپ کے ان ذاتی کمالات اور اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کیا، جس کا پندرہ سالہ ازدواجی زندگی کے دوران مشاہدہ کیا تھا۔"

اور دوسری گواہی آپ ﷺ کی وفات کے بعد کی ہے۔ لوگوں نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سیرت کے حوالہ سے کچھ سننے کی خواہش کی تو ام المؤمنین نے انہیں سے استفسار کیا کہ

کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟

سوال کرنے والوں نے سمجھا کہ شاید ام المؤمنین ہمارا سوال نہیں سن پائیں۔ انہوں نے سوال کی وضاحت کی کہ ہم سیرت کے حوالہ سے سننا چاہتے ہیں۔ اس پر ام المؤمنین نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ میں اسی کا جواب دے رہی ہوں، تم سیرت سننا چاہتے ہو:

"كان خلقه القرآن"

" یعنی آپ ﷺ کی زندگی قرآن مجید کا عملی نمونہ تھی۔" (سنن ابوداؤد؛ جامع ترمذی)

جن باتوں کا قرآن مجید میں حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ اسی کے مطابق زندگی بسر فرمایا کرتے۔

یہ ہے معروف کے ساتھ گھر میں زندگی بسر کرنے کی شہادت، لیکن افسوس کہ ہمارے گھرانے اس حکم ربانی اور سنت مصطفیٰ سے خالی ہوتے جارہے ہیں۔ نہ عیش میں سنت کی پاسداری اور نہ ہی طیش میں جواب دہی کا تصور، وصال میں بھی منکر اور فصال میں بھی منکر۔

زوجین کو صبر اور برداشت کا حکم دیا گیا:

«لَا يَفرَكْ مؤمنٌ مؤمنةً »(صحیح مسلم:1469)

کہ کسی مسلمان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کسی مؤمن عورت کی تذلیل کرے اگر کوئی بات ناگوار بھی محسوس ہو تو برداشت سے کام لیا جائے، ممکن ہے کہ اس کی کوئی ایک بات ناپسند ہو تو اس کی کسی خوبی سے وہ سکون بھی پائے۔ اگر باہمی مصالحت نہ بھی ہو سکے تو کم سے کم طلاق کے لیے مفاہمت ہو سکتی ہے، جو کہ معروف کے ساتھ طلاق دینے کا اسلوب ہے، جیسا کہ حکم الٰہی ہے:

﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾

مصالحت میں بھی معروف اور طلاق کی نوبت آجائے تب بھی معروف کے ساتھ اپنے راستے الگ کر لیے جائیں۔ ورنہ اس حکم ربانی پر عمل نہ کر کے دونوں گھرانے نفرت اور عداوت کی جس آگ میں جھلستے رہتے ہیں اور اولاد زندگی بھر اس کی تپش میں دق ہوتی رہتی ہے وہ کسی صاحب بصیرت سے مخفی نہیں۔ اس سلسلہ میں ہونے والے سنگین نقصانات کی روک تھام کے لیے اس وقت کتنے سرکاری اور غیر سرکاری ادارے کام کر رہے ہیں لیکن پھر بھی نقصانات کی بھرپائی نہیں ہو پاتی۔ ہدایات ربانی کو نظرانداز کر کے نقصانات سے بچنا ممکن نہیں۔

لہٰذا طرفین کو چاہیے کہ اگر زندگی معروف سے نہیں گزر رہی ہے تو کم سے کم جدائی کی راہیں معروف سے طے کی جائیں تاکہ اولاد اس منکر کی تپش سے کسی حد تک محفوظ رہ سکے۔

☆☆☆

سیدنا فاروق اعظمؓ

اور ہوں گے جن کا شیوا نفرتِ فاروق ہے — میرے دل میں جلوہ افگن الفتِ فاروق ہے
جس جگہ آرام فرما ہیں رسول کائنات — جا کے دیکھو بس وہیں پر تربتِ فاروق ہے
ساریہ کو دور سے وہ کر رہے ہیں باخبر — نورِ ایماں سے منور حکمتِ فاروق ہے
مصطفیٰ نے ان کو مانگا تھا خدائے پاک سے — منفرد سارے جہاں میں قسمتِ فاروق ہے
آج بھی دانش وروں کے دل میں بیٹھے ہیں عمرؓ — آج بھی دنیا میں شان وشوکتِ فاروق ہے
جا کے ایراں میں خلافت کا علم لہرا دیا — یہ تو بس تاریخ میں اک ہمت فاروق ہے
حق تعالیٰ نے خود ان کی رائے کی تائید کی — کسی بلندی پر مقامِ حضرتِ فاروق ہے
میرے مالک یہ ترا احسان مجھ پر کم نہیں — مشغلہ میرا ثنا ومدحتِ فاروق ہے
مجھ پہ باطل کا کوئی حربہ نہ ہو گا کام یاب — میرے ذہن و دل میں روشن عظمتِ فاروق ہے

ڈاکٹر تابش مہدی



توحید کی تعریف

اس بات پر یقین ہونا کہ اللہ ایک ہے۔ ربوبیت' الوہیت' اسماء وصفات میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ معبود برحق صرف اور صرف اللہ ہی ہے۔ یعنی آدمی پختہ یقین کے ساتھ اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ ایک ہے۔ ہر شئی کا مالک اور رب ہے۔ وہ اکیلا ہی پیدا کرنے والا ہے۔ ساری کائنات میں اکیلا ہی تدبیر کرنے والا ہے۔ ساری عبادتوں کے لائق وہی پاکیزہ ذات ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے علاوہ تمام معبود باطل ہیں۔ وہ ہر کمال والی صفت سے متصف ہے اور تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے۔ اس کے اچھے اچھے نام ہیں اور اس کی بلند واعلیٰ صفات ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ليس للقلوب سرور ولا لذة إلا.... الخ"

"اللہ کی محبوب چیزوں کے ذریعہ تقرب الٰہی اور محبت الٰہی میں ہی دلوں کو سکون اور لذت تامّہ حاصل ہوتی ہے۔ اور اللہ کی محبت تب تک ممکن نہیں جب تک غیر اللہ کی محبت سے اعراض نہ کر لیا جائے اور یہی ملت ابراہیمی اور تمام انبیاء ورسل کی دعوت ہے۔"

(مجموع فتاویٰ لابن تیمیہ: 28/32)

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ انسان اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اللہ پر ایمان کے ساتھ ساتھ طاغوت کا انکار نہ کرے۔ دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے:

﴿فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ﴾ (سورة البقرة:256)

"جو اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا۔"

(الدرالسنية:1/95)

توحید کی اہمیت:

توحید کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توحید ہی کی خاطر (یعنی خاص اپنی عبادت کی خاطر) جہان کو بنایا' جنّوں وانس کو پیدا کیا۔ اور اس توحید کی طرف بلانے کے لئے انبیاء ورسل مبعوث فرمائے۔ جنت ودوزخ بنائی۔ اسی توحید کے سبب مخلوق دو حصوں (مومن اور کافر) میں تقسیم ہوئی۔ اسی توحید کے سبب تلواریں میانوں سے نکلیں ' اور توحید کے منکروں سے جہاد فرض ہوا۔ اور اللہ رب العزّت نے عالم ارواح میں سب سے پہلے اسی توحید کا اقرار لیا کہ

﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾

"کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں"؟ تو بنی آدم نے جواب دیا:

﴿قَالُوا بَلَىٰ﴾ "کیوں ہیں آپ ہمارے رب ہیں۔"

اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اسی دعوت توحید کو لیکر آئے' اور اپنی قوم سے یوں مخاطب ہوئے کہ

﴿ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ﴾ "اے میری قوم کے لوگو! ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔"

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سب سے پہلے مشرکین مکہ کو یہی دعوت توحید دی' اور کہا: «قُوْلُوْا لَا إِلَهَ إِلَّااللهُ تُفْلِحُوْا»

کہہ دو! "اللہ ایک ہے" کامیاب ہو جاؤ گے۔"

اور مؤحد آدمی کا ٹھکانہ جنت ہے جبکہ مشرک کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

توحید کی اقسام

توحید کی تین اقسام ہیں:

1۔ توحید ربوبیت:

اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ ہی پیدا کرنے والا، پالنے والا، روزی دینے والا، معاملات کی تدبیر کرنے والا، عزّت وذلت سے دوچار کرنے والا اور تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اس توحید کو کفّار بھی مانتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ۔

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ﴾ (سورة الزخرف:87)

"اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور جواب دیں گے!" کہ اللہ نے پیدا کیا ہے"

2۔ توحید الوہیت:

یہ عقیدہ رکھنا کہ تمام قسم کی مشروع عبادات کے لائق صرف اور صرف اللہ رب العزّت ہی کی ذات ہے۔ جیسے۔ دعا کرنا، مدد مانگنا، طواف کرنا، رکوع وسجدہ کرنا، جانور ذبح کرنا، نذر ماننا، ڈرنا، امید رکھنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکوۃ دینا، حج کرنا، توکل کرنا، جھکنا وغیرہ وغیرہ۔ جو شخص ان مشروع عبادات کو اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف پھیر دے، وہ آدمی مشرک اور کافر ہے اور نجات سے محروم ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

﴿ وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴾ (سورۃ المؤمنون:117)

"جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، پس اس کا حساب تو اللہ کے اوپر ہے۔ بیشک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں۔"

کفّار نے اسی توحید الوہیّت کا انکار کیا تھا۔ جس کی وجہ سے سیدنا نوح علیہ السلام کے زمانے سے لیکر محمد ﷺ تک کفّار اور انبیاء کرام کے درمیان جنگیں بھی ہوئیں۔

اسی توحید کا ہم ہر نماز میں اقرار کرتے ہیں :

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾

اور اللہ ربّ العزّت نے اسی توحید کو اپنانے کا حکم دیا ہے کہ

﴿ إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي﴾ (سورۃ طٰہٰ:14)

"بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا عبادت کے لائق اور کوئی نہیں۔ پس تو میری عبادت کر۔"

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دلاتا ہے تجھ کو نجات۔

3۔ توحید اسماء وصفات:

اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں اور تمام صفات پر حقیقی معنیٰ میں بغیر تمثیل ،بغیر تشبیہ ،بغیر تکییف ،بغیر تعطیل اور بغیر تحریف کئے ایمان لانا' جو نام اللہ نے خود ہمیں بتائے ہیں یا نبی ﷺ نے بتائے ہیں۔ جیسے استواء' نزول' ید وغیرہ۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (سورۃ الشوریٰ:11)

"اس جیسی کوئی چیز نہیں ،وہ سننے اور دیکھنے والا ہے" یعنی کائنات میں اللہ جیسی کوئی چیز نہیں' نہ ذات میں نہ صفات میں۔ پس وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ واحد اور بے نیاز ہے۔

توحید کے فوائد:

توحید کی برکت سے موحد کے اندر یہ صفات پیدا ہو جاتی ہیں' جبکہ مشرک نامراد رہتا ہے۔

1. اس توحید پر ایمان رکھنے والا تنگ ظرف نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ ایسے خدا کا قائل ہوتا ہے جو زمین وآسمان ،مشرق ومغرب اور تمام جہانوں کا مالک ہے

2. یہ توحید انسان میں انتہاء درجہ کی غیرت اور عزّت نفس پیدا کر دیتی ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ صرف ایک خدا تمام طاقتوں کا مالک ہے

3. خود داری کے ساتھ یہ عاجزی وانکساری بھی پیدا کرتی ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ کا دیا ہوا ہے' جو چھیننے پر بھی قادر ہے

4. اس توحید پر اعتقاد رکھنے والا نیک اعمال کی طرف توجہ دیتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ نیک اعمال ہی ذریعہ نجات ہیں اور اللہ تعالیٰ زبر دست عدل وانصاف کرنے والے ہیں۔

5. اس توحید کا قائل کبھی شکستہ دل اور مایوس نہیں ہوتا کیونکہ وہ ایسے خدا پر یقین رکھتا ہے' جو زمین وآسمان کے تمام خزانوں کا مالک ہے۔

6. اس توحید کا قائل عزم وحوصلہ اور صبر واستقامت کا زبر دست پیکر ہوتا ہے' اور وہ اللہ کی رضا کے لئے بڑے سے بڑے کام بھی سر انجام دینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا۔

7. یہ توحید انسان کو بہادر بنا دیتی ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جس خدا پر اس کا ایمان ہے وہ زبر دست قوت والا ہے۔

8. یہ توحید دل میں قناعت اور شان بے نیازی پیدا کر دیتی ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ عزت، حکومت اور رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

9. توحید پرست اللہ کے قانون کا پابند ہوتا ہے، کیونکہ وہ جانتا کہ اللہ ہر ظاہری اور خفیہ چیز کو جاننے والا ہے۔

10. توحید اخوت ومساوات اور شخصی برابری کا حکم دیتی ہے اور اپنے ہی ساتھیوں کو رب بنا لینے کی اجازت نہیں دیتی۔

11. توحید ہی امن واستحکام کا مرکز ومحور ہے' کیونکہ امن دل میں خوف خدا سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ پولیس کی نگرانی سے۔

12. موحد کا دل جلوت وخلوت 'تنگدستی وخوش حالی تمام حالات میں اللہ سے جڑا رہتا ہے، بخلاف مشرک آدمی کے کہ اس کا دل تقسیم ہو جاتا ہے۔ کبھی زندہ کے پاس جاتا ہے اور کبھی مردہ کے پاس۔ یہیں پر یوسف نے کہا تھا کہ

﴿ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (سورۃ یوسف:39)

"اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا متفرق کئی ایک پروردگار بہتر ہیں یا ایک اللہ زبر دست طاقتور؟"

☆☆☆

شیخ محمد عبد السلام شقیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بعض جہلا ماہ صفر کی آخری بدھ کو آیات سلام یعنی (سلام علی نوح فی العالمین) لکھ کر پانی کے برتنوں میں ڈال دیتے ہیں پھر اس کو پیتے ہیں اور برکت حاصل کرتے ہیں ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس کے پینے سے تمام برائیاں اور آفتیں دور ہو جائیں گی یہ باطل عقیدہ، خطرناک بدفالی لینا اور قبیح بدعت ہے اس برائی کے دیکھنے والے پر اس کی نکیر کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔"
(السنن والمبتدعات للشقیری: 111-112)

☆☆☆



ظلم سے بچو
(یہ قیامت کے دن اندھیروں کا باعث ہوگا)

عبدالمالک مجاہد

ظلم اور زیادتی کو اسلام نے ہر صورت اور ہر حالت میں ناپسند کیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

﴿وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ (سورۃ ابراہیم: 34)

"اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے، بے شک انسان بہت ظالم اور بہت ناشکرا ہے۔"

انسان اپنی جان پر بھی اور دوسروں پر بھی ظلم اور زیادتی کرتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾ (سورۃ الاحزاب:22)

"جو ہم نے امانت کی ذمہ داری کو آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا تو ان سب نے یہ ذمہ داری اٹھانے سے معذرت کر لی اور وہ سب ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھالیا، بے شک وہ بہت ظالم اور بہت جاہل ہے۔"

اسلام نے ظلم کو حرام قرار دیا ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ ۖ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴾ (سورۃ غافر:52)

"قیامت کے دن ظالموں کی معذرت ان کے کسی کام نہ آئے گی ان کے لیے لعنت اور برا گھر ہے۔"

حدیث قدسی ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

« يَا عِبَادِي ، إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُم مُحَرَّماً فَلَا تَظَالَمُوا»

"اے میرے بندو! میں نے اپنے آپ پر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا، پس تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔" (صحیح مسلم: 2577)

انسان تو انسان جانوروں کے ساتھ بھی ظلم کی ہمارے دین میں اجازت نہیں۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ ایک انصاری کے باغ میں تشریف فرما تھے کہ ایک اونٹ روتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا، اونٹ پر سکون ہو گیا۔

آپ ﷺ نے پوچھا: یہ اونٹ کس کا ہے؟

ایک انصاری صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ میرا اونٹ ہے۔ آپ ﷺ نے اس صحابی سے فرمایا: "کیا تم اس بے زبان کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے جسے اس نے تمہاری ملکیت میں دے دیا ہے؟

اس نے عرض کیا: کیا ہوا اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا:

"یہ میرے پاس شکایت کر رہا ہے کہ تم اسے چارہ تو پورا کھلاتے نہیں، اسے بھوکا رکھتے ہو مگر کام صبح سے شام تک مسلسل لیتے ہو؟"

اس صحابی نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔ (سنن ابو داؤد: 2549)

آیئے ایک اور واقعہ دیکھتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرماتے ہیں:

«عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ سَجَنَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّارَ، لَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَسَقَتْهَا، إِذْ حَبَسَتْهَا، وَلَا هِيَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ»(صحیح مسلم:2242)

"ایک عورت کو محض اس لیے عذاب دیا گیا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا حتیٰ کہ وہ مر گئی۔ اسی سبب سے وہ عورت جہنم میں چلی گئی۔ نہ تو اس نے اسے کھانے پینے کو کچھ دیا اور نہ ہی اسے چھوڑا تا کہ وہ حشرات الارض وغیرہ ہی کھا لیتی۔"

معزز قارئین! ذرا غور و فکر فرمائیں کہ ایک انسان کو، جو اشرف المخلوقات تھا، ایک بلی پر ظلم کرنے کے باعث جہنم میں ڈال دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بھی عجیب رنگ ہیں، جس طرح ایک جانور پر ظلم کر کے ایک خاتون جہنم میں چلی گئی، اسی طرح ایک دوسری خاتون ایک جانور پر رحم کر کے جنت میں چلی گئی۔

یہ واقعہ آپ نے کئی مرتبہ پڑھا ہوگا، جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی ترجمان حق و صداقت زبان سے یہ سچا قصہ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنایا، فرمایا:

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ بنو اسرائیل کی ایک عورت جو جسم فروشی کا کام کرتی تھی، سخت گرمی کے موسم میں کسی کام سے جا رہی تھی۔ راستے میں ایک جگہ اس نے عجیب منظر دیکھا۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک کتا گرمی کی شدت کے باعث زبان منہ سے باہر نکالے ہانپ رہا ہے اور مارے پیاس کی شدت کے وہ ایک کنویں کے

قریب گیلی مٹی چاٹ رہا ہے۔ کنواں تو قریب ہی تھا مگر کتے کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ اس میں داخل ہو کر اس کا پانی پی لیتا۔ اس طوائف نے سوچا: جس طرح مجھے پیاس کے باعث گھبراہٹ اور بے چینی کا سامنا ہے، اسی طرح اس کتے کو بھی شدید پریشانی اور گھبراہٹ ہو رہی ہو گی۔ یہ بھی ایک جاندار ہے، کیوں نہ میں اس کی مدد کروں اور اس کے لیے پانی کا بندو بست کروں تاکہ یہ بھی راحت و آرام پائے۔ اب صورت حال یہ تھی کہ اس کے پاس کوئی رسی اور ڈول تو تھا نہیں، مگر فوراً ہی ایک تجویز اس کے ذہن میں آئی۔ اگر میں اپنا جوتا اپنے دوپٹے سے باندھ کر کنویں میں لٹکا دوں تو اس طریقے سے کچھ پانی باہر نکالا جا سکتا ہے۔ مگر وہ دوپٹہ اس قدر چھوٹا تھا کہ پانی کی سطح تک نہ پہنچ سکا۔ اب اس نے کسی متبادل تجویز پر غور کیا تو اسے کنویں کے اندر ایک جانب کچھ سیڑھیاں سی بنی ہوئی نظر آئیں۔ جیسا کہ اس دور میں رواج تھا کہ کنویں میں اترنے کے لیے کنویں کی دیوار میں پتھر کے چوڑے ٹکڑے نصب کر دیے جاتے تا کہ ان پر قدم رکھ کر آدمی کنویں میں صفائی وغیرہ کے لیے اتر سکے، اور انہی سیڑھیوں کی مدد سے باہر بھی آ سکے۔ عورت نے انہی سیڑھیوں سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور ان پر آہستہ آہستہ قدم رکھتی ہوئی کنویں کے اندر کچھ گہرائی تک اتر گئی، حتی کہ اس کے دوپٹے سے بندھا ہوا جوتا پانی تک پہنچ گیا۔ اس نے جوتا پانی سے بھرا اور باہر آ کر کتے کے سامنے رکھ دیا۔ کتے نے جب پانی پیا تو اس کی جان میں جان آئی۔ عورت نے دو تین مرتبہ یہی عمل دہرایا حتی کہ کتا سیر ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اس بدکردار عورت کا ایک جاندار پر رحم کرنے کا عمل اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آیا کہ اس عورت کے تمام گناہوں کو معاف کر کے اس کے لیے جنت کا فیصلہ فرما دیا۔ (صحیح مسلم:2245)

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ظلم کرنے والا اسی دنیا ہی میں برے انجام سے دوچار ہو جاتا ہے۔

آیئے اس تعلق سے ایک واقعہ پڑھتے ہیں:

سیدنا وہب بن منبہ اس کے راوی ہیں۔ ایک ظالم اور جابر بادشاہ نے اپنا محل بنایا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار اپنے محل کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس نے محل کا چکر لگایا۔ ایک کونے میں جھونپڑی دیکھی۔ ماتھے پر شکن پڑ گئی، میرا اتنا خوبصورت محل اور اس کے ساتھ لگی ہوئی یہ جھونپڑی؟ اس نے تو سارے محل کی شان و شوکت ہی گہنا ڈالی۔ اس نے پوچھا: یہ کس کی جھونپڑی ہے؟ بتایا گیا: یہ ایک غریب بڑھیا کی ملکیت ہے جو اس میں رہائش رکھتی ہے۔ حکم دیا کہ اسے گرا دو۔ جب اسے گرایا جا رہا تھا تو بڑھیا کسی کام سے اپنی جھونپڑی سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ جب وہ آئی اور دیکھا کہ اس کی جھونپڑی کو گرایا جا چکا ہے تو آس پاس کے لوگوں سے پوچھا: کس نے اسے گرایا ہے؟ کہنے لگے: بادشاہ وقت نے اسے دیکھا اور گرانے کا حکم دے دیا۔ اس بوڑھی نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور کہنے لگی:

يا رب! إذا لم أكن أنا حاضرة فأين كنت أنت؟

”میرے رب! اگر جھونپڑی گرائے جانے کے وقت میں وہاں موجود نہ تھی تو تو کہاں تھا؟“

فأمر الله عز وجل جبريل أن يقلب القصر على من فيه فقلبه

”اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو حکم دیا کہ اس محل کو جڑ سے اوپر اٹھاؤ اور پھر اس کے مکینوں سمیت اسے الٹا کر زمین پر دے مارو۔“ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

«لا تظلمن أحدا إذا ما كنت مقتدرا»

”جب تمہارے پاس قوت واقتدار ہو تو کسی بے کس پر ظلم بھی نہ کرنا۔“ (التبصرۃ لابن الجوزی:1/66)

اسی سلسلے کا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمایئے:

یہ واقعہ میں محترم پروفیسر غلام سرور قریشی صاحب نے مورخہ 23 نومبر 2012ء کو محترم عرفان احمد صاحب پولیٹیکل کونسلر سفارت خانہ پاکستان ریاض کے گھر پر عشائیہ میں سنایا۔ پروفیسر غلام سرور سفارت خانہ پاکستان ریاض کے ایک آفیسر جناب عباس سرور قریش کے والد گرامی ہیں اور ان دنوں وزٹ ویزے پر اپنے لائق بیٹے کے پاس مقیم ہیں۔

پروفیسر صاحب گویا ہوئے:

میں ایک مرتبہ تیز رو ٹرین پر لاہور سے کراچی کے لیے سفر کر رہا تھا۔ اس گاڑی میں دو ہی درجے تھے ایک فرسٹ کلاس اور دوسرا تھرڈ کلاس کا درجہ تھا۔ حسن اتفاق کہ میں نے فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لے رکھا تھا۔ جب میں بوگی میں داخل ہوا تو وہاں ایک ہی آدمی بیٹھا ہوا تھا، باقی سارا ڈبہ خالی تھا۔ ہم نے آپس میں گپ شپ لگانی شروع کر دی۔ جب گاڑی رواں دواں ہو گئی تو مجھے نیند آنے لگی، میں نے اپنے سفر کے ساتھی سے کہا:

ہم باتیں تو کر ہی رہے ہیں مگر ممکن ہے مجھے اچانک نیند آ جائے اور میں بیٹھا بیٹھا ہی سو جاؤں تو آپ اس کا برا نہ مانیے گا۔

میرے ہم سفر نے ایک آہ بھری اور کہنے لگا:

نیند آہ نیند! اور وہ بھی بیٹھے بیٹھے! کیا خوش قسمتی ہے؟

میں ان کی آہ سے چونکا تو وہ کہنے لگے:

”15 برس ہوئے میں نیند سے محروم ہوں۔ میں نے پوچھا: ”وہ کیسے؟“ کہنے لگے۔ اب تو میں اپنے رب سے ایک ہی دعا مانگتا ہوں: الٰہی: یا تو مجھے نیند دے دے یا موت دے دے۔“

قارئین کرام! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں

سے ایک بڑی نعمت نیند بھی ہے۔
قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا﴾(سورۃ النبا:9)
”ہم نے نیند کو تمہارے لیے آرام کا سبب بنایا ہے۔“
دن بھر کی تھکاوٹ کے بعد تھوڑی سی نیند بھی انسان کو راحت اور سکون مہیا کرتی ہے اور انسان بالکل ہلکا پھلکا اور دوبارہ کام کاج کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔
پروفیسر صاحب کہہ رہے تھے۔ میں اپنے ہم سفر کے ان الفاظ سے چونکا، اس طرح کی دعا تو شاید ہی کوئی کرتا ہوں، میں نے پوچھا تو۔ میرے سفر کے ہمراہی نے اپنی داستان کچھ اس طرح سنائی :
میں ایک زمانے میں تحصیلدار تھا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب تحصیلدار کا منصب بہت بڑا ہوتا تھا۔ جب بھی تحصیلدار دورے پر جاتے تو وہاں کے افسروں کی دوڑیں لگ جاتیں۔ قانون گو اور پٹواری تو ان کے سامنے بچھے چلے جاتے تھے۔ ان کے ایک اشارے پر وہ ہر چیز مہیا کرنے کے لیے تیار ہوتے۔ میں ایک مرتبہ ایک علاقے کے دورے پر گیا جہاں میں نے رات بھی گزارنا تھی۔ یہ سردی کا موسم تھا اور اس علاقے میں شدید سردی تھی۔ جب اس علاقے میں پہنچا تو علاقے کے قانون گو اور پٹواریوں نے میرا زبردست استقبال کیا۔ میرے آرام اور کھانے پینے کے لیے ہر وہ چیز مہیا کر دی جو وہ کر سکتے تھے۔
رات ہوئی تو میرے سونے کے لیے بہترین انتظام کیا گیا۔ شدید سردی کی وجہ سے آگ کا آلاؤ روشن کیا گیا۔ آرام کرنے کے کمرے کے پاس ہی ایک چوکیدار کی ڈیوٹی لگائی گئی کہ رات گئے اگر کسی چیز کی ضرورت پڑ جائے تو وہ اسے میرے لیے مہیا کر سکے۔
میں سونے کے بستر پر لیٹا تو نیند آنکھوں سے دور تھی۔ کمرے میں کتیا اور پلوں کی آوازیں آ رہی تھیں ۔ میں جب بھی سونے کی کوشش کرتا کتیا کے پلوں کی مسلسل آوازیں میرے کانوں سے ٹکراتیں ۔ میں شدید الجھن میں تھا۔ میں نے چوکیدار کو بلایا اور اس سے کہا: کسی طرح ان آوازوں سے مجھے نجات دلاؤ۔ اس نے کتیا کو بھگانے کی کوشش کی مگر تھوڑی دیر کے بعد پھر آوازیں شروع ہو جائیں۔ میں سخت جھنجھلاہٹ کا شکار تھا۔ میں نے چوکیدار پر غصہ اتارا۔ اسے برا بھلا کہا: غالباً ایک آدھ تھپڑ بھی رسید کر دیا۔ سردی بڑی شدید تھی۔ کتیا غالباً اپنے بچوں کے لیے محفوظ مقام تلاش کر چکی تھی۔ پلے بالکل چھوٹے تھے۔ ان کی عمر ابھی چند دنوں کی ہو گی۔ کتیا نے ایک بچے کو منہ سے اٹھایا اور محفوظ مقام پر چھوڑ آئی۔ تھوڑی دیر بعد پھر آئی، دوسرے بچے کو منہ میں دبایا اور اسے بھی لے کر چل دی۔ اس طرح ایک ایک کر کے وہ اپنے بچوں کو محفوظ مقام تک پہنچاتی چلی گئی۔ آہستہ آہستہ آوازوں میں کمی آتی چلی گئی۔ میں نے سکھ کا سانس لیا کہ چلیے ان کی آوازوں سے جلد ہی جان چھوٹ جائے گی۔ ان پلوں کی تعداد سات یا آٹھ ہو گی۔ کتیا نے ایک کے سوا تمام پلوں کو محفوظ مقام تک پہنچا دیا۔ پھر یا تو وہ اس پلے کو بھول گئی یا اسے آنے میں تاخیر ہو گئی۔ ادھر یہ پلا جو اکیلا رہ گیا تھا جب اس نے دیکھا کہ اس کی ماں اسے لے کر نہیں گئی اور وہ اکیلا رہ گیا ہے تو اس نے مزید شور مچانا اور آوازیں نکالنا شروع کر دیں۔ ہم دونوں اسے چپ کیسے کروا سکتے تھے۔ یوں بھی وہ چھوٹا سا تھا۔ میں غصے میں آتا چلا گیا۔ کچھ افسری کا زعم، کچھ نیند کا غلبہ، شدید غصہ آیا، میں غصے سے پاگل ہو گیا۔ بستر سے چھلانگ لگائی، اس پلے کو پکڑا اور اٹھا کر آگ کے الاؤ میں پھینک دیا۔ چھوٹا سا کتیا کا بچہ چونکتا چونکتا، آہستہ آہستہ جلنے لگا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ معصوم کوئلہ بن گیا۔ چند لمحوں کے لیے تو مجھے سکون ملا کہ اس کی آواز سے مجھے نجات مل گئی، مگر اس پلے کے میری آنکھوں کے سامنے جلنے نے میری نیند کو اڑا دیا۔ ہاں بھائی میں نے ظلم کیا تھا ایک معصوم جان پر کہ اس بے گناہ کو میں نے آگ میں زندہ جلا دیا تھا۔
میرے دوست وہ دن اور آج کا دن، آج اس واقعہ کو 15 سال گزر چکے ہیں، اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر مجھے نیند کی نعمت سے محروم کر دیا ہے۔ میں سونے کی ہر کوشش کر چکا ہوں، غذا میں تبدیلی، ادویات کا استعمال، دم جھاڑ، نفسیاتی معالجین سے علاج، مگر کوئی بھی طریقہ کامیاب نہ ہوا۔ میں آج تک اس نعمت سے محروم ہوں۔ پروفیسر غلام سرور کہنے لگے۔ اس واقعہ کو سننے کے بعد اس سفر کے دوران میری آنکھوں سے بھی نیند دور ہو چکی تھی۔
اللہ تعالیٰ نے ظالموں پر اپنی کتاب مقدس میں لعنت فرمائی ہے۔(سورۃ ہود:18)
جب تک وہ مظلوم اس کو معاف نہ کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی تب تک اسے معاف نہیں کرے گا۔

☆☆☆

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
”آپ ﷺ نے بنفس نفیس ’ابواء‘ مقام پر غزوہ کیلئے تشریف لے گئے اس جگہ کو ’ودّان‘ بھی کہتے ہیں، یہ آپ ﷺ کا پہلا غزوہ تھا، جو کہ آپ کی ہجرت سے بارہ ماہ بعد صفر کے مہینے میں رونما ہوا، اس غزوہ میں حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ علمبردار تھے، آپ کا علَم سفید رنگ کا تھا، آپ نے اس دوران مدینہ منورہ میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا، آپ صرف مہاجرین کو لیکر قریش کے ایک تجارتی قافلے کی تلاش میں نکلے تھے، لیکن وہ قافلہ پہلے ہی ممکنہ جگہ سے گزر چکا تھا۔
اسی غزوہ میں آپ ﷺ نے اس وقت کے بنی ضمرہ کے سربراہ مخشی بن عمرو ضمری کیساتھ امن معاہدہ فرمایا، جس میں فریقین کی طرف سے یہ طے ہوا کہ کوئی بھی ایک دوسرے پر چڑھائی نہیں کریگا، فریقین میں سے کسی کے خلاف بننے والے اتحاد کا حصہ نہیں بنیں گے، اور نہ ہی ایک دوسرے کے دشمن کی کسی قسم کی مدد کرینگے، آپ ﷺ نے یہ معاہدہ باقاعدہ تحریر کروایا، آپ اس غزوے میں پندرہ دن مدینہ سے باہر رہے۔“(زاد المعاد: 3/ 164، 165)



گلستان ثاقب (تعارف وتجزیہ)

تحریر دانش عمری

جامعہ دار السلام عمر آباد کے فارغین ہر میدان میں اپنی علمی کامیابیوں اور فنی مہارتوں کا لوہا منوا چکے ہیں اور منوا رہے ہیں۔ تحریر یا تقریر کا میدان ہو، عمری بھائیوں نے ان دونوں میدانوں میں اپنے ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ شاعری کی طرف بہت کم عمری احباب جاتے ہیں۔ فی الوقت میرے پیش نظر ڈاکٹر محمد عبد الرب ثاقب عمری کا شعری مجموعہ ہے، جسے سید اسماعیل علی اور سید ایوب عمری نے مرتب کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرنجان مرنج شخصیت کے حامل ہیں، آپ کا نام نامی میں نے سب سے پہلی برادر عزیز شیخ اسماعیل افضل کی زبانی سنا اور انہی کے ذریعے مجھے آپ کے شعری مجموعے فیضان ربانی پر سرسری نظر ڈالنے کا موقع ملا۔ فیضان ربانی کے مطالعے سے ناچیز کو بہت مسرت حاصل ہوئی، خاص کر اس کی غزلوں نے دیر پا اثر چھوڑا۔ ڈاکٹر صاحب کی غزلیں اتنی عمدہ، دلکش اور لاجواب ہیں، ہمارے دل میں مخصوص جگہ بنا لیتی ہیں۔ شعراء کی اس بھیڑ میں اپنا مخصوص مقام بنا لینا آسان کام نہیں ہے اور کیوں نہ ہو آپ کو حضرت ابو البیان حماد عمری کی سرپرستی حاصل رہی ہے، جو استاذ الاساتذہ ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی ایک خصوصیت مجھے بہت پسند ہے وہ یہ کہ آپ ڈگر سے ہٹ کر چلتے ہیں، بقول سہیل اختر مرحوم

نقوش پا سے بھی آگے ہے منزل مقصود
جانا ہے مجھے وہاں جہاں راستہ نہیں جاتا

عموماً کتابوں کا انتساب صرف ایک شخصیت یا ادارے کے نام ہوتا ہے، آپ نے اس کتاب میں تین تین انتساب شامل فرمائے ہیں۔ ایک انتساب تو کاکا سعید احمد صاحب عمری کے نام جس میں آپ کے علاوہ کاکا انیس احمد عمری اور دیگر منتظمین جامعہ کے اسماء گرامی تحریر کیے گئے ہیں، دوسرا حضرت ابو البیان حماد عمری کے نام اور تیسرا انتساب اپنے تایازاد برادران کے نام ہے، جن کے اسماء گرامی ہیں: مولانا عبد الرحمٰن ندوی، مولانا عبد اللہ عمری مدنی اور مولانا محمد عبد الہادی عمری مدنی۔ گویا انہوں نے ایک ساتھ مادر علمی کا حق، اپنے رہنمائے روحانی کا حق اور شتہ دا ری کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کے بعد ان کی لحدوں پر الٰہی کے عنوان سے ڈڈلی اور حیدر آباد دکن کے مرحومین کو یاد فرمایا ہے، یہ بھی ڈاکٹر صاحب کی ایسی انفرادیت ہے کہ جس پر داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر تابش مہدی، ملک فضل برمنگھم، برادر عزیز شیخ اسماعیل افضل حیدر آبادی اور عادل فاروقی لندن کے تاثرات شامل کتاب ہیں۔ ان میں سوائے شیخ اسماعیل کے کسی اور صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی شعری خصوصیات پر گفتگو نہیں کی ہے جبکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ آپ کی غزل، نظم اور قصیدہ گوئی پر تفصیلاً گفتگو کی جاتی۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر تابش مہدی کی تحریر بھی کچھ خاص تاثر نہیں چھوڑتی۔

اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب کی دو حمدیں، ایک نعت، تیرہ نظمیں، 7 غزلیں، 9 قصیدے، 23 مرثیے، 2 ترانے، چند قطعات، 45 خراج تحسین وخراج عقیدت اور ایک گلدستہ تہنیت شامل ہیں۔

ربی اللہ ربی اللہ کے عنوان سے جو حمد ہے اس میں بڑی سادگی اور پرکاری کے ساتھ انہوں نے حمد خداوندی بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ بار بار ان کا یہ سوال کہ کس نے بھیجا نبی کو، کس نے زبان و دھن دیئے ہیں، کس نے سیدھی راہ دکھائی وغیرہ کس نے، کس نے تکرار سے بے اختیار سورۂ رحمٰن یاد آ جاتی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ جن وانس کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

نعت رسول کہنا بہت مشکل کام ہے۔ نبی کا مرتبہ بہت ہی نازک ہے، اسے نہ بڑھایا جا سکتا ہے نہ گھٹایا جا سکتا ہے۔ شریعت کی حدود کی پابندیوں کے ساتھ نعت کہنا ناکوں چنے چبانے کے مترادف ہے۔ کتنے عمدہ شعر آپ نے کہے ہیں:

تھے جہالت میں جوان کو علم والا کر دیا
آپ کی تعلیم نے پتھر کو ہیرا کر دیا
کر دیا توحید نے دنیا میں برپا انقلاب
نور ایماں سے زمانے میں اجالا کر دیا

آپ کی نظموں میں مشاہدات، ماں تیری کمی ہے، انحطاط نہایت عمدہ ہیں۔ مشاہدات میں دور حاضر کی دین بیزاری، بے ادبی، شرک کی تاریکی، اللہ سے دوری، بے سکونی و بے اطمینانی کا اظہار انہوں نے دردمندی کے ساتھ کیا ہے۔ نصیحت اس پیرائے میں کی ہے کہ آپ کی نصیحت دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ چند شعر دیکھیں:

میں دین سے ہٹ کر جو ڈگر دیکھ رہا ہوں
سانپوں سے بھری راہ گزر دیکھ رہا ہوں
ہر شخص کے جذبات میں اک آگ لگی ہے
جلتے ہوئے دل اور جگر دیکھ رہا ہوں
اب مر بھی چکا آنکھوں کا پانی بھی تو ثاقب
دیکھا نہیں جاتا ہے مگر دیکھ رہا ہوں

ماں تیری کمی ہے میں ماں کی کمی کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ قاری اگر دل گداز کا مالک ہے تو اس کی آنکھوں سے آنسو نہ جھلکیں یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ مال و دولت اور اللہ کی نعمتوں کی فراوانی اور ماں کی کمی کی وجہ سے دل میں کسک اٹھتی ہے، وہ بس اسی دل کو محسوس ہوتی ہے، جس نے یہ حادثہ دیکھا۔ ماں پر لکھنے

والوں نے بہت کچھ لکھا ہے اور لکھ رہے ہیں۔ لیکن آپ کی یہ نظم اس معنیٰ میں سب سے منفرد ہے کہ اس میں ایک سچے بیٹے کی دل کی پکار ہے، سینے میں ابلتے ہوئے جذبات ہیں جو قلم کے راستے بہہ نکلتے ہیں۔ ماں کی نعمت جب تک ہمارے پاس ہوتی ہے ہمیں اس کا احساس نہیں ہوتا۔ نعمت کا احساس تو زوال کے بعد ہوتا ہے۔ جن کے پاس ماں ہے ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ

ماؤں والے جھوم رہے ہیں
ان کا ماتھا چوم رہے ہیں

نظم کی ابتداء سے ایک مایوسی، رنج و غم کی کیفیت، درد دل کی کسک محسوس ہوتی ہے۔ نظم پڑھنے والا جب اسے ختم کرتا ہے تو قاری پر ایک خاص تاثر چھوڑ جاتی ہے۔ چند اشعار دیکھیں:

پھولوں کے ہیں اشجار، مگر تیری کمی ہے
میوؤں کے ہیں انبار، مگر تیری کمی ہے
ماں تیری کمی ہے، ماں تیری کمی ہے
احباب ہیں زردار، مگر تیری کمی ہے
سب بن گئے سردار، مگر تیری کمی ہے
ماں تیری کمی ہے، ماں تیری کمی ہے
ہیں دودھ کے انہار، مگر تیری کمی ہے
ہیں خیر کے انوار، مگر تیری کمی ہے
ماں تیری کمی ہے، ماں تیری کمی ہے
شادی کی ہیں باراتیں، مگر تیری کمی ہے
ہیں نور کی برساتیں، مگر تیری کمی ہے
ماں تیری کمی ہے، ماں تیری کمی ہے

غزلیات کے حصے میں سات غزلیں جن میں روایتی مضامین کے ساتھ ساتھ دینی موضوعات کو بھی برتا گیا ہے۔ کہیں کہیں ان کی نصیحت ان کی غزل پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے۔ کیوں نہ ہو آپ بنیادی طور پر عالم دین ہیں، شاعری کرتے ہوئے بھی وہ اس منصب اور اس کی ذمہ داریوں کو نہیں بھولتے، کہیں توحید کی دعوت دیتے ہیں تو کہیں عبادت میں ریاکاری اور دکھاوے سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں، مسلمانوں میں جو فرقہ پرستی سرایت کر گئی ہے، وہ دردمندی کے ساتھ کرتے ہیں، نفرت کا مقابلہ کرنے کا طریقہ یہ بتاتے ہیں کہ نفرت کو نفرت سے نہیں کاٹا جا سکتا بلکہ الفت و محبت سے اس کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

چند شعر یوں ہیں:

زندگی بے بندگی تو گمراہی ہے گمراہی
بندگی رب کی کرو اور سرمدی بن جایئے
ہو تلاوت اور دعائیں بے ریا و بے نمود
بندگی کر کے مجسم چاشنی بن جایئے
دنیا کے کاروبار میں ہیں غرق اس طرح
ڈر ہے نہ موت و قبر کا اور حساب کا
رب سے تم جوڑ لو تعلق کو
اس کی رحمت تو بیکرانہ ہے
کتنے فرقوں میں بٹ گئے مسلم
کیا یہ انداز مؤمنانہ ہے
کیسے جنت میں لوگ جائیں گے
جب عقیدہ ہی مشرکانہ ہے
عجیب لوگ ہیں شاید انہیں نہیں معلوم
کہ دل کشی تو غریبوں میں پائی جاتی ہے

قصائد میں علامہ اقبال کے علاوہ لندن کی چند اہم شخصیات شامل ہیں۔ جیسے ڈاکٹر حافظ عبد الکریم صاحب، مولانا عبد الکریم ثاقب مدنی، مولانا شفیق الرحمٰن صابر صاحب وغیرہ۔

انہوں نے اپنے اہل خانہ، اساتذۂ جامعہ اور دیگر معروف شخصیات کی وفات پر مراثی کہے ہیں، مولانا حافظ سید عبد الکبیر صاحب عمری، علامہ حافظ حفیظ الرحمٰن اعظمی عمری مدنی، حافظ عبید الرحمٰن اعظمی عمری مدنی، مولانا حبیب الرحمٰن زاہد اعظمی، ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی عمری مدنی، مولانا ظہیر الدین صاحب، مولانا خلیل الرحمٰن اعظمی عمری، مولانا سید جلال الدین انصر عمری رحمہم اللہ کی وفات پر کہے گئے مراثی میں بہت سوز و گداز ہے، مختصر الفاظ میں انہوں نے صاحب مرثیہ کے امتیازات و کمالات کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ چند لفظوں میں ایک شخصیت کی خوبیوں کو بیان کرنا اور اس انداز میں بیان کرنا کہ پڑھنے اور سننے والا ایک خاص تاثر لے کر اٹھے بہت مشکل کام ہے۔

مولانا زاہد اعظمی رحمہ اللہ پر لکھے گئے چند شعر دیکھیں:

بچپن سے مشقت کی، گھر والوں کی خدمت کی
اخواں سے محبت کی، ماں کی بھی اطاعت کی
مسجد میں خطابت کی، مکتب کی نظامت کی
تھے معتمد عالی، اس طرح ادارت کی
تھے صدق و صفا والے، بندے تھے خدا والے
داعی رہے سنت کے، دشمن رہے بدعت کے

بعد ازاں مختلف شخصیات کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔ دو ترانے حفظ قرآن کا مقابلہ اور جامعہ سمیہ حیدر آباد دکن کے عنوان سے شامل ہیں۔ قند مکرر کے بعنوان چار نظمیں ہیں۔

متفرقات میں برمنگھم کے مشاعروں کو رونق بخشنے والے بعض علماء کرام و قائدین، حیدر آباد دکن کے مشاعروں کو رونق بخشنے والے بعض علماء، قائدین واحباب، ماہنامہ پرواز لندن کا ایک شمارہ، ڈاکٹر عبد الرب ثاقب کے متعلق مشاہیر کی آراء و تبصرے اور عکس شاعر شامل ہیں۔

متفرقات کے تحت جو ابتدائی دو عناوین شامل نہ ہوتے تب بھی کتاب کی اہمیت میں کوئی کمی نہ ہوتی۔

اخیر میں ایک مشورہ دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ شاعری کے انتخاب میں اور سختی برتیں منتخب شعر ہی شامل کتاب کریں تو اس کی اہمیت میں اور زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔ اسی طرح غیر متعلق چیزیں حتی الامکان شامل کرنے سے گریز کریں گے تو اس کے حسن میں مزید نکھار آ جائے گا۔

مجموعی طور پر یہ کتاب بہت عمدہ ہے اور عبد الرب ثاقب کی شاعری دلوں میں اتر جانے والی، احساس کو جگانے والی شاعری ہے۔ یقیناً یہ اردو ادب میں بیش بہا اضافہ ہے۔ مرتبین کا بھی بے حد شکریہ کہ آپ حضرات نے اس کتاب کی ترتیب سے اپنے حسن سلیقہ کا ثبوت پیش کیا ہے۔ دعا ہے کہ آپ حضرات اس نوعیت کے مزید علمی کام سرانجام دیں۔ آمین



عالم اسلام میں مفتی دیار سعودیہ فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبد اللہ بن باز۔ الشیخ محمد بن صالح العثیمین اور محدث العصر الشیخ الالبانی کو خاص طور پر جو مقبولیت عامہ حاصل ہے، اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اس قبولیت عامہ کا سبب محض عقیدت نہیں بلکہ ان کا لازوال کردار بھی تھا۔ ان فاضل شخصیتوں کا علم قرآن وحدیث میں کمال درجے کا رسوخ اور تفقہ بھی اس کا سبب ہے اور ان اکابر کے ذاتی عمل وورع اور تقویٰ و زہد میں بھی سلف صالحین کی اتباع ہے ۔ یہ لوگ عام زندگی میں بھی چلتے پھرتے بھی صحابہ واسلاف کی یاد تھے ۔ ان کے کردار و عمل میں مسنون اخلاق کی خوشبو تھی ۔ آج کی نشست میں صرف الشیخ عثیمین کا ذکر خیر ہو گا۔

آپ کا نام الشیخ محمد بن صالح بن محمد بن عثیمین المقبل التمیمی ہے ۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ آپ کی پیدائش سعودی عرب کے علاقہ قصیم کے ایک شہر عنیزہ میں 27 رمضان المبارک 1347ھ (مارچ 1929) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے قرآن کریم کی تعلیم اپنے نانا الشیخ عبد الرحمن بن سلیمان آل دامغ سے حاصل کی ۔ قرآن مجید مکمل حفظ کر لینے کے بعد علم کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے پہلے خطاطی اور حساب سیکھا۔ پھر ادبی فنون سیکھے۔

اللہ تعالیٰ نے الشیخ عثیمین کو بلا کی ذہانت، بلند ہمتی، حصول علم کی حرص اور علماء کرام کی صحبت سے نوازا تھا۔ آپ نے علم حاصل کرنے میں بہت سے مشائخ سے استفادہ کیا۔ اپنے شہر عنیزہ اور ریاض کے جن مشائخ سے آپ نے استفادہ کیا ان میں سے شیخ عبد الرحمن بن ناصر السعدی، امام العصر علامہ شیخ عبد اللہ بن عبد العزیز بن باز، علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی، شیخ علی بن حمد الصالحی، شیخ محمد بن عبد العزیز المطوع ، شیخ عبد الرحمن بن علی بن عودان شیخ عبد الرحمن بن سلیمان آل رحمہ اللہ علیہم بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ تکمیل تعلیم کے ساتھ ہی آپ نے تدریس بھی شروع کر دی۔

آپ کے سارے شاگردوں کا شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کے پاس طلباء کا ایک رش لگا رہتا تھا۔ خصوصاً آخری چند سالوں میں اس تعداد میں خوب اضافہ ہو گیا تھا۔ کبھی کبھار ایک ایک مجلس میں مختلف علمی درجات کے پانچ پانچ سو سے زائد طلباء شریک ہوتے اور جب کبھی آپ کے دروس مکہ، مدینہ یا کسی بڑے شہر میں ہوتے تو ان لوگوں کی تعداد بڑھ جاتی۔

آپ نے مختلف علوم وفنون میں کئی علمی کارنامے چھوڑے۔ آپ نے عقیدہ ، فقہ، حدیث ، اخلاق ، سلوک ، معاملات ، اور دیگر موضوعات پر بہت تفصیل سے لکھا آپ کی بعض تالیفات بہت معروف ہوئیں جن میں الحمویہ کی شرح فتح رب البریۃ، مصطلح الحدیث أصول من علم اصول (أصول حدیث میں) مجالس رمضان، تسہیل الفرائض ،لمعۃ الاعتقاد الھادی إلی سبیل الرشاد، شرح العقیدۃ الواسطیہ، عقیدۃ أہل السنۃ والجماعۃ، الفتاوی النسائیۃ ، سجود السھو فی الصلاۃ، الضیاء اللامع من الخطب الجوامع ، أصول التفسیر۔ مختارات من اعلام الموقعین، مجموع الدروس وفتاوی الحرم المکی، کتاب التوحید خاص طور پر شامل ہیں۔ شیخ عثیمین کی ساری زندگی زہد و ورع سے عبارت تھی، اس سلسلے میں شیخ کے کئی ایک واقعات ملتے ہیں۔ شیخ عثیمین جب اپنے جامعہ میں موجود ہوتے تو وہاں کے متعلقہ امور کے لیے بوقتِ ضرورت اپنے قلم(pen) میں سیاہی وہیں سے بھر لیتے، پھر جب گھر جانا ہوتا تو بقیہ سیاہی واپس نکال کر وہیں اسے خالی کر دیتے اور فرماتے کہ یہ سیاہی جامعہ اور اس سے متعلقہ امور کے لیے ہے میرا اس پر ذاتی کوئی حق نہیں۔

آپ جب اپنی امامت یا تدریس سے چھٹی کرتے تو ان چھٹیوں کا حساب لگا کر اپنی تنخواہ سے اتنی رقم کی کٹوتی کروا دیتے، چاہے جتنی بھی کم چھٹی ہوتی اس کی تنخواہ وصول نہیں کرتے تھے۔۔ اگر کبھی کلاس میں آنے میں تاخیر ہو جاتی تو اساتذہ کے حاضری رجسٹر میں بیان کر دیتے اور اس کے سامنے یہ بھی لکھتے کہ بلا عذر تاخیر ہوئی ہے۔۔ اگر کبھی یونیورسٹی کے کاموں کے لئے کہیں غیر حاضری ہو جاتی یا فتوی کمیٹی کے اجلاس میں دورانِ ہفتہ جانا پڑتا تو جو تنخواہ ان کاموں کی ملتی تھی۔ اسے کاٹ کر چانسلر کے حوالے کر دیتے۔ جب آپ امریکہ علاج کی غرض سے گئے، تو واپسی پر کلیہ الشریعہ کے سربراہ عیادت کے لیے مسجد میں ملے، لوگوں کا رش لگا ہوا تھا، بیماری نے نڈھال کر رکھا تھا۔ اس حالت میں بھی شیخ عثیمین چانسلر سے پوچھنا نہیں بھولے کہ میں تو اتنے دن چھٹیوں پر تھا تو میری تنخواہ کیوں آ رہی ہے؟ اس پر چانسلر نے تسلی دی کہ یہ آپ کا قانونی حق تھا۔

شیخ عثیمین کی ذات علماء کے لیے بھی ایک مستند شخصیت تھی ۔ آپ وفاقی سطح پر بنی ہوئی فتوی کمیٹی

کے بھی سپیئر رکن تھے لیکن آپ فتوی دینے میں بڑی احتیاط و تسلی سے کام لیتے، جب کبھی کوئی مسئلہ سمجھ نہ آتا تو سائل سے فرماتے کہ انتظار کریں میں اس مسئلے پر کچھ غور کروں گا۔۔ پھر آپ اپنی رائے پر اصرار نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اپنے سے بہتر کسی عالم کی رائے کے انتظار میں رہتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ

اگر علم چھپانے کا جرم نہ ہوتا اور اللہ کی پکڑ کا ڈر نہ ہوتا تو میں کسی کو بھی فتوی نہ دیتا۔ المعھد العلمی کے سابقہ چانسلر بیان کرتے ہیں کہ

ایک دفعہ مجھے ضرورت پڑی تو میں نے شیخ ابن العثیمین سے قرض لیا، اس دوران نے مجھے ریاض جانا ہوا، شیخ کو بھی ریاض جانا تھا اور میرے ساتھ ہو لیے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو شیخ نے مجھے اس سفر کا کرایہ دینے پر اصرار شروع کر دیا، جب میں نے پوری شدت سے انکار کیا تو شیخ فرمانے لگے کہ

اگر آپ نے مجھ سے قرض نہ لیا ہوتا تو خیر تھی، لیکن اب مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ ایسا قرض نہ بن جائے کہ جو منافع دے رہا ہے۔ اور قرض پر منافع سود ہوتا ہے۔ آپ نے جامعہ میں ایک دفعہ اپنے طلباء سے کہا جسے محسوس ہو کہ میں نے امتحانی پیپر چیک کرنے اور نمبر دینے میں کوتاہی کی ہے کہ تو وہ مجھے بتائے۔ ایک طالب علم آدھے نمبر کے لیے آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس کا وہ نمبر بڑھا دیا۔

الشیخ عثیمین حکومت کے دیے گئے عہدوں اور مناسب سے بھی دور رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ مفتی دیار سعودیہ شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ نے آپ کو بار بار منصب قضاء کی پیشکش کی۔ لیکن شیخ نے ہر بار انکار کیا اور ایک دفعہ "احساء" کے محکمہ شرعیہ کا رئیس بھی متعین کر دیا لیکن آپ نے منصب سنبھالنے کی پیشکش کو قبول نہیں کیا اور ایک دفعہ بھی سرکاری دفتر نہیں گئے۔

شیخ عثیمین دنیا کی عیش و آرام کو عارضی جانتے تھے اس لیے بود و باش میں بھی زہد تھا۔ آپ 60 سال تک مٹی گارے کے بنے ہوئے عارضی گھر میں مقیم رہے۔

سعودی بادشاہوں ملک خالد، ملک فہد اور شاہ عبداللہ تینوں آپ سے ملاقات کیلئے اسی سادہ سے گھر میں ملنے کے لیے آتے رہے، تو شیخ عثیمین کے کچے گھر کو دیکھ کر بہت رنجیدہ، دلگرفتہ اور متاثر ہوئے۔ ملک خالد مرحوم نے آپ کی رہائش کیلئے بڑے شاندار گھر کی آفر کی لیکن آپ نہیں مانے اور پھر ایک عمارت تحفے میں دیدی، تو آپ نے اسے طالب علموں کے لیے وقف کر دیا۔

دوسری ملاقات میں ملک خالد نے پھر گھر پیش کیا شیخ نے اچھے طریقے سے معذرت کر لی اور پھر فرمایا کہ ہم دونوں ملکر ایک گھر بناتے ہیں۔ جب شاہ خالد نے پوچھا کون سا گھر بنانا ہے؟ تو شیخ نے فرمایا:

اللہ کا گھر یعنی مسجد عنیزہ کو تجدید کی ضرورت ہے تو بادشاہ نے اس مسجد کو از سر نو تعمیر کرا دیا جو آج عنیزہ میں "جامع ابن عثیمین" کے نام سے معروف مسجد ہے۔

جب سنہ 1407ھ میں شاہ فہد قصیم آئے، بادشاہ کی گاڑی شیخ ابن العثیمین کے گھر کی طرف روانہ ہوئی، گاڑی سے اترتے ہی شاہ فہد حیران رہ گئے کہ شیخ مٹی کے گھر میں رہتے ہیں۔ جب شاہ فہد آپ کے گھر داخل ہوئے اور خستہ حال چھتوں کو دیکھا، اور پھر زمین پر ہی شیخ کے ساتھ بیٹھے تو عرض کی۔ اے ابو عبد اللہ! آپ کو لازمی طور پر میری طرف سے تحفہ قبول کرنا پڑے گا۔ میں آپ کے لیے گھر بنوانا چاہتا ہوں۔ شیخ فرمانے لگے:

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ لیکن میں اس گھر میں بڑا خوش ہوں، آپ کی طرف سے تحفہ موصول ہو گیا ہے، میری معذرت قبول کریں۔ شاہ فہد نے بہت زیادہ اصرار کیا تو شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

آپ کی میرے گھر میں تشریف آوری ہی بہت بڑی عزت افزائی ہے۔ شاہ کو اندازہ ہو گیا کہ شیخ بہت زاہد ہیں تو انہوں نے آپ کا عذر قبول کر لیا۔ ملک عبد اللہ کے بہت زیادہ اصرار پر ایک گھر قبول کیا اور وہ بھی اپنے ادارے کے قریب جو بناوٹ میں کسی بادشاہ کا بنوایا ہوا لگتا ہی نہیں تھا۔

ایک رئیس نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو نئی گاڑی ہدیہ کی تو شیخ نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے لینے سے معذرت کر لی اور فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، میری پرانی گاڑی ہی کافی ہے۔

راقم حافظ درانی کو کم از کم تین دفعہ شیخ عثیمین سے ملاقات اور مجلس میں بشریک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ زہد و ورع کی دنیا کا یہ بادشاہ جنوری 2001 میں خالق حقیقی کے پاس چلے گئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 72 سال تھی۔ اللہ کریم ان کی دینی خدمات کو قبول فرمائے۔ اور آپ کا جنازہ قصیم کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ تھا۔ اللہ کریم ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائے اور جنت میں اعلی مقام عطا فرمائے۔

☆☆☆

فضیلۃ الشیخ صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فعلى المرء أن يكون واصلا لرحمه وأن يكون ناصحا لإخوانه المسلمين

"ہر ایک پر لازم ہے کہ وہ رشتوں کو جوڑنے والا اور مسلمان بھائیوں کو نصیحت کرنے والا ہو۔"

(شرح ریاض الصالحین: 3/253)

☆☆☆



مسلمان بھائی سے ملاقات کی فضیلت

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَّ رَجُلًا زَارَ أَخًا لَهُ فِي قَرْيَةٍ أُخْرَى فَأَرْصَدَ اللهُ عَلَى مَدْرَجَتِهِ مَلَكًا، فَلَمَّا أَتَى عَلَيْهِ قَالَ: أَيْنَ تُرِيدُ؟ قَالَ: أُرِيدُ أَخًا لِي فِي هَذِهِ الْقَرْيَةِ، فَقَالَ: هَلْ لَهُ عَلَيْكَ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُدُّهَا؟ قَالَ: لَا غَيْرَ أَنِّي أَحْبَبْتُهُ فِي اللهِ قَالَ: فَإِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكَ بِأَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ لَهُ» (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب في فضل الحب في الله: 2567 -مسند أحمد: 292/2)

”ایک آدمی کسی دوسری بستی میں اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملنے جا رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ بٹھا دیا، جب وہ اس فرشتے کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا: کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ اس آدمی نے جواب دیا: میں اس بستی میں اپنے ایک بھائی کو ملنے کے ارادے سے جا رہا ہوں، فرشتے نے کہا: کیا تیرے ذمے اس کی کوئی چیز ہے جسے تُو لوٹانے جا رہا ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں، میں تو صرف اس سے اللہ کی رضا کی خاطر محبت کرتا ہوں (اور اسی وجہ سے ملنے جا رہا ہوں)، تو اس فرشتے نے کہا: میں تیری طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں (تاکہ تجھے بتلاؤں) کہ اللہ عزوجل بھی تجھ سے اسی طرح محبت رکھتا ہے جیسے تُو اس کی رضا کی خاطر اپنے مسلمان بھائی سے محبت رکھتا ہے۔“

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا عَادَ الرَّجُلُ أَخَاهُ أَوْ زَارَهُ فِي اللهِ، قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَبُوِّئْتَ مَنْزِلًا فِي الْجَنَّةِ» (سنن ترمذی، أبواب البروالصلة، باب ما جاء في زيارة الإخوان: 2008 -سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء في ثواب من عاد مريضاً: 1443)

”جب کوئی آدمی فقط رضائے الٰہی کی خاطر اپنے (مسلمان) بھائی کی عیادت یا اس کی زیارت کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تُو بہت اچھا ہے، (اس نیک کام کے لیے) تیرا چلنا بھی اچھا ہے اور تُو نے جنّت میں اپنا گھر تیار کر لیا ہے۔“

مسلمان کے مسلمان پر حقوق

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ»، قِيلَ: مَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ:

«إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ، وَإِذَا عَطَسَ فَشَمِّتْهُ، وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ، وَإِذَا مَاتَ فَاتْبَعْهُ.»

(صحيح بخاری، كتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز: 1240- صحيح مسلم، كتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام: 2162)

”ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں: پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ کونسے حقوق ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تُو اسے ملے تو اسے سلام کہہ، جب وہ تیری دعوت کرے تو قبول کر، جب وہ تجھ سے خیر خواہی کا طلب گار ہو تو اس سے خیر خواہی کر، جب وہ چھینک مارے) اور الحمدللہ کہے) تو) یرحمک اللہ کہہ کر (اس کا جواب دے، جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی تیمارداری کر اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو۔“

خیر خواہی کے طلب گار سے خیر خواہی کرنے کا مطلب ہے کہ جب اسے کسی معاملے میں مشورہ درکار ہو تو اسے اچھا اور مفید مشورہ دینا، یا اسے کسی مشکل وقت میں اس کی ضرورت ہو تو اس کے کام آنا، یا اس میں کوئی تعبدی امور کی کوتاہی یا اخلاقی برائی پائی جاتی ہو تو اس کی اصلاح کے لیے اسے سمجھانا اور نصیحت کرنا، غرضیکہ وہ تمام امور خیر خواہی میں شامل ہیں جن سے دوسرے مسلمان کا بھلا ہوتا ہے۔

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِسَبْعٍ: أَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ، وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ، وَرَدِّ السَّلَامِ، وَإِجَابَةِ الدَّاعِي، وَإِبْرَارِ الْقَسَمِ، وَنَصْرِ الْمَظْلُومِ، وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ: نَهَانَا عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ، وَعَنِ الْحَرِيرِ وَالْإِسْتَبْرَقِ، وَالدِّيبَاجِ، وَالْمِيثَرَةِ الْحَمْرَاءِ، وَالْقَسِّيِّ، وَآنِيَةِ الْفِضَّةِ.

(صحيح بخاری، كتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز: 1239- صحيح مسلم،

كتاب اللباس والزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة على الرجال والنساء:2066)

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات کام کرنے کا حکم فرمایا: مریض کی عیادت، جنازے میں شرکت، چھینک کا جواب، سلام کا جواب، دعوت قبول کرنے، قسم پوری کرنے اور مظلوم کی مدد کرنے کا اور سات کاموں سے منع فرمایا: سونے کی انگوٹھی، ریشم، استبرق، دیباج، سُرخ چوغہ اور قسی پہننے اور چاندی کے برتن استعمال کرنے سے۔“

’حریر‘ عام ریشم کو کہتے ہیں اور یہ کُلی طور پر ہر ریشمی کپڑے پر بھی بولا جاتا ہے، باقی سب بھی ریشم کی ہی قسمیں ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ ’استبرق‘ بہت نفیس اور موٹا ریشم ہوتا ہے اور ’دیباج‘ خالص ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں یعنی جس کا تانا بانا ہی ریشم کا ہوتا ہے اور ’قسی‘ شام و مصر میں تیار ہو کر آنے والے ریشمی ملبوسات پر بولا جاتا تھا۔

سیدنا ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ»

(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أنه لا يدخل الجنة إلا المؤمنون، وأن محبة المؤمنين من الإيمان: 54- سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في إفشاء السلام: 5193- سنن ترمذی، أبواب الأدب، باب منه: 5193- سنن ابن ماجه، المقدمة: 68)

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم جنّت میں تب تک نہیں جاسکتے جب تک کہ ایمان نہ لے آؤ اور تب تک تم ایمان والے نہیں بن سکتے جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو، کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتلاؤں کہ جسے کرنے سے تم باہم محبت کرنے لگو گے؟ آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔“

گویا سلام کو عام کرنا دخولِ جنّت کا باعث ہے۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَطْعِمُوا الْجَائِعَ، وَعُودُوا الْمَرِيضَ، وَفُكُّوا الْعَانِيَ»

(صحيح بخاری، كتاب الجهادوالسير، باب فكاك الأسير: 3046-سنن أبوداؤد، كتاب الجنائز، باب الدعاء للمريض بالشفاء عند العيادة: 3105)

”بھوکے کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی تیمارداری کرو اور قیدی کو آزاد کراؤ۔“

سیدنا ابوسعید خدری ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ بِالطُّرُقَاتِ»، قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ! مَا لَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِيهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجَالِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ.» قَالُوا: وَمَا حَقُّ الطَّرِيقِ؟ قَالَ: «غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْأَذَى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ»

(صحيح بخاری، كتاب الإستئذان، باب بدء السلام: 6229- صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب النهي عن الجلوس في الطرقات وإعطاء الطريق حقه:2121)

”راستوں پر بیٹھنے سے اجتناب کرو۔ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بعض مجلسیں (راستے میں (لگانا ہمارے لیے ضروری ہو جاتا ہے جن میں (آپس میں) باتیں کرتے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم مجلس لگانے پہ مُصر ہی ہو تو پھر راستے کو اس کا حق دیا کرو۔ لوگوں نے پوچھا: راستے کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نظریں جھکائے رکھنا، تکلیف دہ چیز ہٹانا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔“

سیدنا تمیم داری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ، إِنّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ، إِنّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ»، قَالُوا: لِمَنْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «لِلّهِ، وَلِكِتَابِهِ، وَرَسُولِهِ، وَأَئِمَّةِ الْمُؤْمِنِينَ». أَوْ قَالَ«وَأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ.»

(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة: 55- سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في النصيحة: 4944)

”یقیناً دین خیر خواہی کا نام ہے، بلاشبہ دین خیر خواہی ہے، بے شک دین سراسر خیر خواہی ہے۔ صحابہ ؓم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کس کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور اس مسلمانوں کے ائمہ کے لیے۔ یا فرمایا: مسلمانوں کے ائمہ اور ان کے عام لوگوں کے لیے۔“

اللہ تعالیٰ کے لیے خیر خواہی یہ ہے کہ بندہ اس کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہوئے اس کی بندگی کو بجا لائے، رسول اللہ ﷺ کے لیے خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت پر کامل ایمان و یقین رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے احکام و فرامین کو بلا تاویل و توجیہہ کے قبول کیا جائے، کتاب اللہ کے لیے خیر خواہی سے مراد اس کی تلاوت اور اس میں مذکور احکاماتِ الٰہیہ کو پہلے اپنی نجی زندگی اور پھر پورے معاشرے پر نافذ کرنا، مسلمانوں کے ائمہ یعنی امراء و سلاطین کے لیے خیر خواہی یہ ہے کہ بھلائی

اور اچھائی کے کاموں میں ان کی معاونت کرے اور برائی کے کاموں میں ان کی اصلاح کرے اور عام لوگوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، ہر مسلمان کے حقوق کی ادائیگی کرے، کسی کی عزت کو داغدار نہ کرے، ہر شخص کو اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق اسی قدر زیادہ عزت دے، حسبِ استطاعت اپنے ضرورت مند بھائی کی مدد کرے، جتنا ہو سکے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے، غرضیکہ اپنے تمام مسلمان بھائیوں کے بارے میں اخلاقیات کے تمام تر اوصافِ حمیدہ کو ملحوظ رکھے۔

زیاد بن علاقہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے جریر بن عبد اللہ ؓ کو فرماتے سنا کہ

بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.

(صحيح بخاری، كتاب الإيمان، باب قول النبي ﷺ: «الدين النصيحة: لله ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم»: 57- صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة: 56)

”میں نے نبی ﷺ سے ہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت کی۔“

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ»(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في المشورة: 5128- سنن ترمذی، أبواب الأدب، باب أن المستشار مؤتمن: 2822- سنن ابن ماجه، كتاب الأدب: 3745- سلسلة الأحاديث الصحيحة:1641)

”جس سے مشورہ مانگا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔“

جس طرح ایک امین شخص لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح وہ شخص کہ جس سے مشورہ لیا جائے امین کے حکم میں ہوتا ہے یعنی مشورہ لینے والے کی بات اس کے پاس امانت ہوتی ہے اور اس پر اس امانت کی حفاظت واجب ہے، مشورے کی حفاظت سے مراد کسی اور کو اس بات کی خبر نہ ہونے دینا ہے۔

سیدنا ابو برزہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللهِ! عَلِّمْنِي شَيْئًا أَنْتَفِعُ بِهِ، قَالَ: «اعْزِلِ الْأَذَى عَنْ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ»

(صحيح مسلم، كتاب البروالصلة، باب النهي عن الإشارة بالسلاح إلى مسلم: 2618- سنن ابن ماجه، كتاب الأدب، باب إماطة الأذى عن الطريق:3681)

”اے اللہ کے رسول! مجھے ایسی بات سکھلا دیجیے جس سے میں فائدہ اُٹھاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کے (گزرنے کے) راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا کر۔“

فائدہ اٹھانے سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں لوگوں کی محبت کے حصول کی صورت میں فائدہ مل سکے اور آخرت میں اللہ تعالی کی رضا مندی کے حصول کی صورت میں۔

سیدنا ابو ہریرہ ؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ فِي شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيقِ تُؤْذِي النَّاسَ.» وَعَنْ أَبِي صَالِحٍ فَقَالَ: «وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيقِ، فَأَخَذَهُ فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ، فَغَفَرَ لَهُ» (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب بيان الشهداء:1914)

”میں نے جنّت میں ایک آدمی کو ٹہلتے گھومتے دیکھا (جس نے عمل یہ کیا تھا کہ) سر راہ لگے ہوئے ایک ایسے درخت کو کاٹا تھا جو لوگوں کو تکلیف دیتا تھا۔ اور ابو صالح کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس نے راستہ میں ایک کانٹے دار ٹہنی پڑی دیکھی تو اسے اُٹھا دیا، اللہ تعالی نے اس (کے اس عمل) کی قدر کی اور اسے معاف فرمادیا۔“

یعنی راستے میں ایک ایسا درخت لگا ہوا تھا (اور ایک روایت کے مطابق کانٹے دار ٹہنی پڑی ہوئی تھی) جس سے گزرنے والے تنگ ہوتے تھے، اس شخص نے وہ درخت اکھاڑ پھینکا (یا وہ ٹہنی اٹھا کر راستے سے ہٹادی) تا کہ لوگوں کو تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ تو اللہ تعالی نے اس کے اس عمل کے بدلے میں اسے جنت عطا فرمادی۔

☆☆☆

حاسد شخص

شیخ محمد امان الجامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”حاسد شخص گھٹن کا شکار رہتا ہے۔ اس کی لڑائی بندوں سے پہلے اللہ سے ہوتی ہے، کیونکہ وہ لسانِ حال سے اللہ پر معترض ہوتا ہے کہ اس نے فلاں کو مال، جاہ، علم یا منصب کیوں دے دیا۔ تو ایسے شخص کا سینہ کیسے کشادہ ہو جو رب پر معترض اور اس کی تقسیم سے ناخوش ہے؟!“

☆☆☆

ہر حال میں صبر و رضا کا دامن تھامے رکھو

بعض سلف نے کہا: اللہ تعالی جو بھی معاملہ آپ سے فرما رہا ہے اس پہ ہر پل راضی رہیں؛ کیونکہ اگر اس نے تمہیں کسی چیز سے روکا ہے تو کچھ دینے کے لئے، اور اگر بیمار کیا ہے تو شفایاب کرنے کے لئے، مبتلا کیا ہے تو عافیت دینے کے لئے، اگر فوت کریگا تو (ایک نئی) زندگی دینے کے لئے_

خبر دار! ایک لمحے کے لئے بھی صبر و رضا کا دامن چھوڑا تو، ورنہ اپنے خالق کی نظر سے گر جاؤ گے۔

(مدارج السالکین: 216/2)



دودھ کا معنی و مفہوم: "دودھ" دراصل "پراکرت" زبان کا لفظ ہے جو اردو میں مستعمل ہے، سنسکرت میں اس کو "ڈگدھ" کہتے ہیں۔

عربی زبان میں سے "لبن" کہتے ہیں جو قرآن وسنت میں ذکر کیا گیا ہے جس کا معنی ہے " بچہ جننے والی مادہ (حیوان یا انسان) کے جسم کا سفید رنگ کا سیال مادہ جو بچے کی خوراک کے لئے ایک خاص مدت تک چھاتی یا تھنوں میں پیدا ہوتا رہتا ہے۔"

اسی دودھ سے بہت سے جملے اور محاورے بنائے گئے ہیں جیسے کہتے ہیں:

"دودھ کی دھار، دودھ کا جوش، دودھ پیتا بچہ، دودھ پیڑا، دودھ دانی، دودھ کا ابال، دودھ کا رشتہ، دودھ کی ندی، دودھ میں مکھی، دودھ نالی، دودھ والی، دودھیا چائے، دودھ کے دانت، دودھ کی نہر، دودھ اتارنا، دودھ بخشنا دودھ سا، دودھیا وغیرہ ان تمام الفاظ کے استعمال حسب موقع ہوتا رہتا ہے۔"

دودھ کی اہمیت شعراء کی نظر میں: شعرائے کرام نے اپنے کلام میں معنی خیز انداز میں لفظ "دودھ" کا استعمال کیا ہے، جیسا کہ ایک شاعر نے کہا:

اب یہاں کون نکالے گا بھلا دودھ کی نہر
عشق کرتا ہے تو جیسا بھی ہے اچھا ہے میاں

اسی طرح ایک اور شاعر اکبر الہ آبادی نے کہا:

ہر سو نعمت رکھی دیکھی
شہد اور دودھ کی مکھی دیکھی

اسی طرح کیفی اعظمی نے کہا تھا:

چاندنی اور یہ محل عالم حیرت کی قسم
دودھ کی نہر میں جس طرح ابال آ جائے

اسی طرح ایک اور شاعر نے کہا تھا:

نئے کپڑے کھلونے دودھ کی بوتل خریدی تھی
بہت بے چین ہوتا تھا جو تم راتوں کو روتی تھیں

اسی طرح ایک اور شاعر نے عرض کیا:

اس مالک کو کیوں نہ پکاریں
جس نے پائیں دودھ دھاریں

دودھ کا تذکرہ قرآن میں: دودھ اللہ سبحانہ وتعالی کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے جو انسانی غذا و توانائی کا انمول خزانہ ہے جس کے بے شمار فوائد ہیں، اسی دودھ کا تذکرہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی کیا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ﴾ (سورۃ النحل:66)

"تمہارے لئے تو چوپایوں میں بھی بڑی عبرت ہے کہ ہم تمہیں اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے اسی میں سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے کے لئے سہتا پچتا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال تخلیق کے ذکر کے ساتھ ساتھ دودھ کے عظیم فائدے کا تذکرہ کیا ہے کہ اس کا نوش کرنا پیٹ پر ثقل نہیں بلکہ یہ پیٹ میں پچنے والا ہے۔ قدیم زمانے سے دودھ غذا کی حیثیت سے استعمال ہوتا رہا ہے سفر میں، حضر میں ہر وقت یہ غذا ہمارے ساتھ ہوتی ہے اسی لئے زمانہ قدیم کے لوگ صحت مند و توانا اور مضبوط جسم کے مالک ہوا کرتے تھے۔ زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ لوگوں میں جانور پالنے کا شوق و ذوق ختم ہو چکا اور وہ غذا کے طور پر آلودہ بازاری غذاؤں کے عادی ہو گئے اب تو لوگوں کو خالص دوھ بھی میسر نہیں، پاؤڈر کا دودھ، ڈیری کا جمع شدہ دودھ، یا جانوروں کو زبردستی انجکشن لگا کر دودھ پیدا کیا جانے لگا ہے جس کے سبب موجودہ انسانوں کی صحت کمزور ہو چکی، ان کے ہمتیں جواب دے چکیں، عمریں کم ہو چکیں۔ موجودہ دور کے دودھ سے متعلق شاعر پاگل عادل آبادی نے کہا تھا:

ڈبوں کا دودھ پی کر بچے جو پل رہے ہیں
وہ سب جوان ہو کر بڑھے نکل رہے ہیں

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کچھ جانور ایسے پیدا کئے ہیں جن کا کھانا جائز و حلال ہے اور کچھ جانور ایسے ہیں جن کا کھانا حرام ہے وہ جانور جو حلال ہیں ان کا دودھ پینا جائز ہے گائے، بکری، اونٹ، بھینس وغیرہ دودھ بہت سے فوائد کا خزانہ ہے جیسے اس کو نوش فرمانے سے اچھی نیند آتی ہے، وزن میں کمی ہوتی ہے جلد خوبصورت ہوتی ہے، ہڈیاں مضبوط ہوتی ہیں، ذہن کا تناؤ کم ہوتا ہے، جسم کو مستحکم توانائی حاصل ہوتی ہے، کولیسٹرول کی سطح میں کمی آتی ہے، رگوں اور پٹھوں کو مضبوطی حاصل ہوتی ہے اور یہ پروٹین و وٹامن کا بہترین خزانہ ہے جو وٹامن B12، وٹامن A، وٹامن D، کیلشیم، میگنیشیم، زنگ، جسے بے شمار فوائد کا مرکب ہے۔ ماں کے دودھ کے بعد انسان کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش دودھ بکری کا ہے اس کے بعد گائے اور اونٹ کا دودھ ہے، لوگ عموما بھینس کا گاڑھا دودھ استعمال کرتے ہیں جو انتہائی مضر صحت ہے، ہم لوگ گاڑھا دودھ پینے کے عادی ہیں لیکن درست بات یہ ہے کہ دودھ میں پانی ملا کر پینا چاہئے یہ عادت رسول

اللہ ﷺ کی تھی جس کا تذکرہ احادیث میں کیا گیا ہے، مسلمان کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ خود گائے، بکری پالیں اور تندرست و توانا دودھ پئیں بازاری دودھ ہماری زندگیوں کو تباہ کر چکے ہیں۔ موجودہ دور کی بھیانک بیماریوں کے بہت سے اسباب میں سے یہ بھی ہے۔

دیکھنے میں دودھ ایک غذا ہے لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس میں لذتوں کے خزانے رکھا ہے، اسی دودھ سے ہم دھی بناتے ہیں، مکھن حاصل کرتے ہیں ،مسکا تیار کیا جاتا ہے، گھی تیار کیا جاتا ہے، اسی سے کھوّا اور پنیر بنتا ہے جتنی بھی مٹھائیاں تیار کی جاتی ہیں تمام میں کسی نہ کسی طرح دودھ شامل کیا جاتا ہے، گویا دودھ ایک فیکٹری ہے جس میں ہمہ اقسام کی غذائیں تیار کی جاسکتی ہیں، کبھی ہم اس میں غور کریں اور اللہ کی توحید کا اقرار کریں اور اس کی ثناخوانی کریں، دودھ سے متعلق احادیث مبارکہ میں بہت سی تعلیمات دی گئی ہیں ہم یہاں تفصیل سے پیش کریں گے شاید کبھی ہم نے اس جانب توجہ دیا بھی ہو کہ نہیں۔

خواب میں دودھ پینے کی تعبیر: ہم میں کے بہت سے لوگ مختلف قسم کے خواب دیکھتے ہیں انہیں میں سے خواب میں دودھ پینا بھی ہے، اور اس کی بہت ہی بہترین تعبیر بتائی گئی ہے اگر کوئی مسلمان خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ پیالے میں دودھ نوش فرمارہا ہے تو اس کی تعبیر علم کی زیادتی و علم صالح کا حصول ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

«بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ، أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ، فَشَرِبْتُ حَتَّى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِي أَظْفَارِي، ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ» قَالُوا: فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «العِلْمَ»

” میں سورہا تھا مجھے دودھ کا ایک پیالہ دیا گیا میں نے خوب اچھی طرح نوش فرمالیا حتی کہ میں نے دیکھا کہ تازگی میرے ناخنوں سے نکل رہی ہے، پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمر بن خطاب کو دے دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا : یارسول اللہ ﷺ نے آپ نے اس کی کیا تعبیر لی ہے ؟ آپ نے فرمایا: علم۔“ (صحیح بخاری:82)

رسول اللہ ﷺ کے ایک دوسرے خواب کا تذکرہ حدیث مبارکہ میں یوں کیا گیا ہے کہ

” دو برتن میرے سامنے لائے گئے ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب تھی، سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ دونوں چیزوں میں سے آپ کو جو چاہئے نوش فرمائیں، میں نے دودھ کا پیالہ اپنے ہاتھوں میں لیا اور اسے پی گیا، مجھ سے کہا گیا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا اگر اس کے بجائے آپ نے شراب پی ہوتی تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔“ (صحیح بخاری: 3437، 3394)

اس حدیث سے اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ امت مسلمہ طاہر و مطہر امت ہے لہٰذا وہ پاک و صاف اور حلال چیزیں استعمال کریں۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حرام چیزوں کے استعمال سے امتیں زوال پذیر ہوجاتی ہیں ، لیکن افسوس کہ اب ہم امتی دودھ پینے کو فراموش کر چکے ہیں اور غیر اقوام کا دیکھا دیکھی اور فیشن سمجھتے ہوئے ایسے مشروبات کے عادی بن چکے ہیں جس میں حرام اشیاء بھی شامل ہیں جو صحت کے لئے انتہائی مضر ہیں، ہمیں اس بات سے خائف کر دیا گیا کہ دودھ پینے سے موٹاپا بڑھ جائیگا، وزن بڑھ جائیگا، یا دودھ ثقل ہوتا ہے۔ حالانکہ دودھ پینے سے ہر عمر کے لوگوں کو صحت حاصل ہوتی ہے، ہڈیاں مضبوط ہوتی ہیں ، لیکن ہم لوگ دودھ کو ناپسند کرتے ہیں اور چائے کو پسند کرتے ہیں جبکہ چائے بیماروں کا منبع ہے۔

دودھ پی کر کلی کرنا چاہئے: دین اسلام نے ہر چیز کے آداب بیان کئے ہیں ان آداب پر عمل کرنے کا فائدہ ہماری ہی ذات کو ہوتا ہے ان ہی آداب میں سے ایک ادب دودھ پینے کے بعد کلی کرنا ہے رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا کہ جب بھی آپ دودھ نوش فرماتے تو کلی کر لیا کرتے تھے، کیونکہ دودھ میں چکنائی ہوتی ہے، کلی کرنے سے چکنائی دور ہو جاتی ہے، اگر ہم کلی نہ کریں تو یہ چکنائی ہمارے دانتوں اور زبان پر چڑھی رہے گی کچھ دیر بعد ہمارے منہ سے عجیب قسم کی بدبو محسوس ہوسکتی ہے اسی لئے ہمیں بھی چاہئے کہ جب بھی ہم یا ہمارے بچے دودھ نوش فرمائیں تو ہم بھی کلی کر لیں اور اپنے بچوں کو بھی کلی کروائیں جس سے بچوں کی تربیت بھی ہو گی، اور سنت پر عمل کرنے کا اجر و ثواب بھی ملے گا، ناواقفیت کے سبب اکثر لوگ اس پر عمل نہیں کرتے ہیں معصوم و نونہال بچوں کو آپ نے دیکھا ہو گا کہ جب وہ دودھ پیتے ہیں اور ان کا منہ صاف نہیں کیا جاتا تو ان کے گالوں سے دودھ کی بو محسوس ہوتی ہے اور یہ بو کراہت پیدا کرتی ہے حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ، وَقَالَ: «إِنَّ لَهُ دَسَمًا»

”رسول اللہ ﷺ نے دودھ نوش فرمایا، پھر کلی کی اور فرمایا اس میں چکنائی ہوتی ہے۔“ (صحیح بخاری:211)

دودھ سے افطار کرنا: اہل عرب کی غذاؤں میں کھجور اور دودھ شامل ہے کھجور بھی عام تھا اور دودھ بھی عام تھا جو بآسانی میسر ہو جاتا تھا، اونٹ اور بکری پالنے کا عموماً رواج تھا اور وہ بطور غذا کے اس کا دودھ استعمال کیا کرتے تھے، اسی لئے افطار کے لئے دودھ کا استعمال کیا جاتا تھا، آج جس طرح بہ آسانی پھل میسر ہیں عہد

نبوی میں میسر نہ تھے اسی لئے عموما لوگ کھجور اور دودھ سے افطار کیا کرتے تھے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدہ ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ

أَنَّ نَاسًا اخْتَلَفُوا عِنْدَهَا يَوْمَ عَرَفَةَ فِي صَوْمِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ صَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَيْسَ بِصَائِمٍ فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى بَعِيرِهِ فَشَرِبَهُ

"ان کے یہاں لوگوں کا عرفات کے دن رسول اللہ ﷺ کے روزے سے متعلق کچھ اختلاف ہو گیا، بعض نے کہا کہ آپ ﷺ روزے سے ہیں اور بعض نے کہا کہ: آپ روزے سے نہیں ہیں، اسی لئے انہوں نے آپ کے پاس دودھ کا ایک پیالہ بھیجا، رسول اللہ ﷺ اس وقت اونٹ پر سوار ہو کر عرفات میں وقوف فرما رہے تھے، آپ نے وہ دودھ نوش فرمالیا۔" (صحیح بخاری:1661)

ایک اور واقعہ حدیث مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے کہ "نبی کریم ﷺ رمضان میں حنین کی طرف تشریف لے گئے، مسلمانوں میں بعض حضرات تو روزے سے تھے اور بعض نے روزہ نہیں رکھا تھا لیکن جب رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر پوری طرح بیٹھ گئے تو آپ نے برتن میں دودھ یا پانی طلب فرمایا اور اسے اپنی اونٹنی پر یا اپنی ہتھیلی پر رکھا اور پھر نوش فرمالیا پھر آپ نے لوگوں کو دیکھا تو جن لوگوں نے پہلے سے روزہ نہیں رکھا تھا انہوں نے روزہ داروں سے کہا کہ اب روزہ توڑلو۔" (صحیح بخاری:4277)

چوری کا دودھ استعمال نہ کیا جائے: جس طرح ساز وسامان کی چوریاں ہوتی ہیں اسی طرح دودھ کی بھی چوری ہوا کرتی تھی دودھ کی چوری اس طرح سے کہ اگر کوئی جانور چر رہا ہوتا تو اس کے مالک کی اجازت کے بغیر اس کا دودھ نکال لیا جاتا تھا یہ چوری ہی ہے، چوری کا یہ انداز قدیم زمانے سے آج تک چلا آرہا ہے، اسی لئے مالک کی اجازت کے بغیر کسی بھی جانور کا دودھ نہیں نکالا جاسکتا، اگر کسی نے ایسا کیا ہو گا تو وہ چوری کا مال تصور ہو گا اسی سے ایک مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ صرف دودھ ہی نہیں بلکہ کوئی بھی چیز مالک کی اجازت کے بغیر نہیں لی جا سکتی، عموما گھروں اور باغوں کے پاس سے لوگ مالک کی اجازت کے بغیر پھل، پھول لے لیتے ہیں اس سے احتراز کرنا چاہئے، حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کوئی شخص کسی دوسرے کے دودھ کے جانور کو مالک کی اجازت کے بغیر نہ دوہے، کیا کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ ایک غیر شخص اس کے گودام میں پہنچ کر اس کا ذخیرہ کھولے اور وہاں سے اس کا غلہ چرا لائے؟ لوگوں کے مویشیوں کے تھن بھی ان کے لئے کھانا یعنی دودھ کے گودام ہیں، اس لئے انہیں بھی مالک کی اجازت کے بغیر نہ دوہا جائے۔" (صحیح بخاری:2435)

(رہن) گروی والے جانور کا دودھ قابل استعمال ہو گا: قدیم زمانے میں سیم وزر، واملاک بہت کم لوگوں کے پاس ہوتا تھا اسی لئے لوگ گروی میں اپنے جانور رکھا کرتے تھے، آج بھی یہ سلسلہ یوپی، بہار وغیرہ میں چلتا ہے، گروی رکھے گئے جانور کا دودھ پینا جائز ہے کیونکہ اس کے چارے کا ذمہ دار گروی رکھا ہوا شخص ہو گا، اس کی اجازت ر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "گروی رکھے گئے جانور پر اس کے خرچ کے بدل سواری کی جائے، اسی طرح دودھ والا جانور جب گروی رکھا جائے تو خرچ کے بدل اس کا دودھ پیا جائے اور جو کوئی سواری کرے یا دودھ پئے وہی اس کا خرچ اٹھائے۔" (صحیح بخاری: 2512، 2451، 2511)

تحفے میں دودھ دینا: دودھ سب سے بہترین تحفہ ہے کیونکہ یہ غذا بھی ہے اور طاقت و قوت بھی، عموماً جب بھی ہم کسی مریض کی عیادت کے لئے جاتے ہیں تو بسکٹ، بریڈ، فروٹ وغیرہ لے کر جاتے ہیں، ان میں سے بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جسے کھانا مریض کو گوارہ نہیں ہوتا البتہ دودھ ہے جسے مریض پسند کرتا ہے۔ قدیم زمانے میں نہ بیکری نہ ہوٹل ہوا کرتی تھی اسی لئے سب سے بہترین چیز دودھ تصور کیا جاتا تھا حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ دو دو ماہ تک رسول اللہ ﷺ کے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہوا کرتا تھا، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے سیدنا عروہ اپنی خالہ سے سوال کرتے ہیں کہ پھر آپ لوگوں کا گزران کیسے ہوا کرتا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ 2 کالی چیزوں کھجور اور پانی پر، البتہ رسول اللہ ﷺ کے چند انصاری پڑوسی تھے، جن کے پاس دودھ دینے والی بکریاں تھیں وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے یہاں بھی ان کا دودھ تحفہ کے طور پر پہنچا دیا کرتے تھے آپ ﷺ وہ ہمیں پلا دیا کرتے تھے۔" (صحیح بخاری:2567)

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ دودھ دینے والی بکری اور اونٹ تحفہ میں دینا بہت ہی عمدہ تحفہ ہوتا ہے، سیدہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نِعْمَ المَنِيحَةُ اللِّقْحَةُ الصَّفِيُّ مِنْحَةً، وَالشَّاةُ الصَّفِيُّ تَغْدُو بِإِنَاءٍ، وَتَرُوحُ بِإِنَاءٍ»

"کیا ہی عمدہ ہے ہدیہ اس دودھ دینے والی اونٹنی کا جس نے ابھی حال ہی میں بچہ جنا ہو اور دودھ دینے والی بکری کا جو صبح وشام اپنے دودھ سے برتن بھر دیتی ہے۔" (صحیح بخاری:2429)

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" چالیس خصلتیں ہیں جن میں سب سے اعلیٰ خصلت دودھ دینے والی بکری کا ہدیہ کرنا ہے، ان خصلتوں میں سے جو شخص ایک خصلت پر بھی عمل کرے گا اجر و ثواب کی نیت سے اور اللہ کے وعدے کو سچا سمجھتے ہوئے تو اللہ تعالی اس کی وجہ سے اسے جنت میں داخل کرے گا۔۔۔الخ۔" (صحیح بخاری:2631)

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ میری خالہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ساہنہ کا گوشت، پنیر اور دودھ ہدیتا پیش کیا تو ساہنہ کا گوشت آپ کے دستر خوان پر رکھا گیا اور اگر ساہنہ حرام ہوتا تو آپ کے دستر خوان پر نہیں رکھا جاسکتا تھا لیکن آپ نے دودھ پیا اور پنیر کھایا۔ "(صحیح بخاری:5402)

غرباء و مساکین میں دودھ تقسیم کرنا: دین اسلام نے تمام مسلمانوں کو بار بار خدمت خلق کی تعلیم دی ہے، خود رسول اللہ ﷺ بلالحاظ مذہب و ملت کثرت سے خدمت رفاہ عامہ میں مشغول رہا کرتے تھے اور آپ نے انسانیت کو خدمت خلق کے لئے ابھارا ہے اس کی بہت سی مثالیں کتب سیرت و کتب احادیث مبارکہ میں ملتی ہیں، چنانچہ حدیث مبارکہ میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ " ایک اعرابی (یعنی بدو، گنوار) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے پوچھنے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا :" تجھ پر افسوس! ہجرت تو بہت مشکل ہے، تمہارے پاس کچھ اونٹ بھی ہیں ؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں ہیں! آپ نے فرمایا :" کہ کیا تم اس کی زکوۃ بھی ادا کرتے ہو ؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! ادا کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا : "کیا اونٹنیوں کا دودھ دوسرے محتاجوں کو بھی دوہنے کے لئے دے دیا کرتے ہو ؟" اس نے کہا: ہاں ایسا بھی کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا :"کیا انہیں گھاٹ پر لے جاکر محتاجوں کے لئے دوہتے ہو؟" انہوں نے عرض کیا ایسا بھی کرتا ہوں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا :" پھر تم سات سمندر پار عمل کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے کسی عمل کا بھی ثواب و اجر کم نہیں کرے گا۔" (صحیح بخاری: 3923)

دودھ یا کسی بھی مشروب کو ڈھک کر رکھنا چاہئے: دودھ اور کسی بھی مشروب یعنی نوش فرمانے والی چیز کو ڈھانک کر رکھنا چاہئے عموماً ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہمارے گھروں، ہوٹلوں میں پانی وغیرہ ڈھک کر نہیں رکھا جاتا ہے، اسی طرح دودھ وغیرہ کو ڈھک کر نہیں رکھا جاتا یہ اسلامی آداب کے خلاف ہے، ہر چیز جو مشروب ہو دودھ، چائے، پانی وغیرہ تھوڑی دیر کے لئے سہی ڈھک کر رکھنا چاہئے اس کے بہت سے فوائد ہیں جیسے دھول و گرد و غبار کے ذرات سے محفوظ رہے گی، یا گھروں میں اگر برتن کا منہ کھلا دکھ دیں تو اس میں کوئی کیڑا، مچھر، مکھی، پتنگے وغیرہ گر سکتے ہیں، حدیث مبارکہ میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ " ایک مرتبہ کی بات ہے کہ سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ مقام نقیع سے دودھ کا ایک پیالہ (کھلا ہوا، بغیر ڈھانکے) لے آئے (یہ دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

«أَلَا خَمَّرْتَهُ ،وَلَوْأَنْ تَعْرُضَ عَلَيْهِ عُوْداً»

"اسے ڈھانک کر کیوں نہیں لائے ہو ایک لکڑی ہی سہی اس پر رکھ لیتے۔" (صحیح بخاری:5605؛5606)

دودھ کی پیش کش ناراضگی کو دور کرتی ہے: اگر کوئی بندہ اپنے کسی محبت کرنے والے کے متعلق یہ گمان کر لیتا ہے کہ وہ کسی معاملے میں ناراض ہے تو اس کی ناراضگی کو دور کرنے کے لئے اسے دودھ پلائیں جس سے اس کا گمان دور ہو جائے گا، حدیث مبارکہ میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے جس میں 2 صحابہ سیدنا اُسید بن حضیر اور سیدنا عباد بن بشیر رضی اللہ عنہما نے شرم و حیاء سے متعلق ایک معاملے میں یہودیوں کے طنز و تشنیع کے رد میں سوال کر لیا جس سے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا، جس کے سبب ان دونوں صحابہ کرام نے سمجھ لیا کہ آپ ﷺ ان سے ناراض ہو گئے ہیں، وہ دونوں وہاں سے نکل گئے، کچھ ہی دیر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس دودھ کا ہدیہ آیا ہوا تھا آپ نے ایک شخص کو ان دونوں کے پیچھے بھیجا اور انہیں بلوا کر دودھ پلایا، وہ سمجھ گئے کہ آپ ان سے ناراض نہیں ہیں۔"(صحیح مسلم:694)

دودھ سے ضیافت: جب بھی ہمارے گھر کوئی مہمان آتا ہے تو ہم کسی نہ چیز سے اس کی ضیافت کرتے ہیں، کھانے کے لئے کچھ پیش کرتے ہیں یا نوش فرمانے کے لئے مشروبات دیتے ہیں یہ آدب دین اسلام نے سکھائے ہیں اور مہمان کی ضیافت میزبان کا حق ہے عہد صحابہ میں وسائل و ذرائع کے فقدان کے باوجود میزبانی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرف سمجھا کرتے تھے، جو بھی میسر ہو مہمان کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا، عہد صحابہ میں میزبانی کے لئے سب سے زیادہ دودھ پیش کیا جاتا تھا چاہے وہ بکری کا ہو کہ اونٹ کا، لیکن دودھ سے میزبانی کی جاتی تھی جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ " نبی کریم ﷺ کی خدمت میں دودھ اور پانی کا ایک ایک پیالہ پیش کیا گیا، آپ نے اسے نوش فرمایا، آپ کی دائیں طرف ایک نوعمر لڑکا بیٹھا ہوا تھا، اور بڑے بزرگ لوگ بھی بائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا :

"اے لڑکے! کیا تو اجازت دے گا کہ میں پہلے یہ پیالہ بزرگوں کو دے دوں، اس پر اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں تو آپ کے جھوٹے میں سے اپنے حصے کو اپنے سوا کسی کو نہیں دے سکتا، چنانچہ آپ نے وہ پیالہ اس کو

دے دیا۔" (صحیح بخاری: 2351)

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ " رسول اللہ ﷺ کے لئے گھر میں پلی ہوئی ایک بکری کا دودھ دوہا گیا، جو انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں پلی ہوئی تھی پھر اس کے دودھ میں اس کنویں کا پانی ملا کر جو انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ نے اسے نوش فرمالیا، جب اپنے منہ سے آپ نے پیالہ ہٹایا تو بائیں طرف سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے اور دائیں طرف ایک دیہاتی تھا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خدشہ محسوس ہوا کہ کہیں آپ یہ پیالہ دیہاتی کو نہ دے دیں، اس لئے انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ابو بکر کو دے دیجئے، آپ نے پیالہ اسی دیہاتی کو دیا جو آپ کی دائیں طرف تھا اور فرمایا کہ " دائیں طرف والا زیادہ حقدار ہے اور پھر وہ جو اس کی دائیں طرف والا ہے۔" (صحیح بخاری: 2352)

رسول اللہ ﷺ کی دودھ سے میزبانی سے متعلق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ حدیث مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے یہاں حدیث مبارکہ کا نصف حصہ ذکر کیا جا رہا ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ " فاقہ کی وجہ سے میں سخت مشقت میں مبتلا تھا، پھر میری ملاقات سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور ان سے میں نے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھنے کو کہا، انہوں نے مجھے وہ آیت پڑھ کر سنائی اور پھر اپنے گھر میں داخل ہو گئے، اس کے بعد میں بہت دور تک چلتا رہا، آخر مشقت اور بھوک کی وجہ سے میں منہ کے بل گر پڑا، اچانک میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے سر کے پاس کھڑے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! میں نے کہا: حاضر ہوں، یا رسول اللہ! تیار ہوں، پھر رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کھڑا کیا، آپ سمجھ گئے کہ میں کسی تکلیف میں مبتلا ہوں، پھر آپ مجھے اپنے گھر لے گئے اور میرے لئے دودھ کا ایک بڑا پیالہ منگوایا، میں نے اس میں سے دودھ پیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "(ابو ہریرہ!) دوبارہ پیو! میں نے دوبارہ پیا، آپ ﷺ نے فرمایا اور پیو میں نے اور پیا، یہاں تک کہ میرا پیٹ بھی پیالے کی طرح بھرپور ہو گیا۔" (صحیح بخاری: 5375)

دودھ کے ذریعہ ضیافت کرنے کے سلسلے میں ایک اور حدیث یوں ذکر کی گئی ہے کہ

سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں اور میرے دو دوست مدینہ آئے، فقر وفاقہ جہد و مشقت کے سبب ہماری سماعت متاثر ہو چکی تھی اور ہماری آنکھیں دھنس چکی تھیں ہم نبی کریم ﷺ کے صحابہ کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرنے لگے لیکن ہمیں کسی نے قبول نہ کیا پھر ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئے تو آپ ہمیں اپنے گھر لے گئے اس وقت آپ کے پاس تین بکریاں تھیں، آپ نے فرمایا: ان کا دودھ ہم سب کے لئے دوہو، تو ہم دوہتے اور ہر شخص اپنا حصہ نوش فرماتا اور ہم رسول اللہ ﷺ کا حصہ اٹھا کر رکھ دیتے پھر رسول اللہ ﷺ رات میں تشریف لاتے اور اس انداز سے سلام کرتے تھے کہ سونے والا جاگ نہ جائے، اور جاگنے والا (سلام) سن بھی لے، پھر آپ مسجد آتے نماز تہجد پڑھتے پھر جا کر اپنے حصے کا دودھ پیتے۔" (جامع ترمذی: 2719)

دودھ کو بطور عطیہ دینا: عطیہ کے طور پر بہت سی چیزیں دی جاتی ہیں جیسے اجناس، پکی ہوئی غذا، پیسہ، رقم، اشیائے ضروریہ، کپڑے وغیرہ اسی طرح عطیہ میں دودھ بھی پیش کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے اس پر ایک غلام کو آزاد کرنے کے برابر اجر مقرر کیا گیا ہے کیونکہ دودھ بچوں، مریضوں، ناتواں و کمزور افراد کے لئے قوت و طاقت بخشتا ہے عمدہ و نفیس بچنے والی غذا بھی ہے اسی لئے حدیث شریف میں ہے کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ مَنَحَ مَنِيْحَةَ لَبَنٍ أَوْوَرِقٍ أَوْهَدَى زُقَاقًا كَانَ لَهُ مِثْلَ عِتْقِ رَقَبَةٍ»

' میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جس شخص نے دودھ کا عطیہ دیا، یا چاندی بطور قرض کے دیا، یا کسی کو راستہ بتایا، اسے غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔" (جامع ترمذی: 1957)

سب سے بہترین صدقہ: صدقہ کئی چیزوں کا کیا جاتا ہے اور صدقہ اللہ کے حضور میں قابل قبول ہے سب سے افضل صدقہ کونسا ہے؟ اس کا بھی تعین کیا گیا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَتَدْرُوْنَ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَل؟ قَالُوْا: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: المَنِيْحَةُ، أَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ الدِّرْهَمُ أَوْ ظَهْرَ الدَّابَّةِ أَوْ لَبَنَ الشَّاةِ أَوْلَبَنَ البَقَرَةِ» (مسند احمد: 3596)

" کیا تم جانتے ہو کہ سب سے افضل صدقہ کونسا ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: کسی کو کوئی چیز عاریۃ دے دینا مثلا تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی کو درہم یا سواری یا بکری کا دودھ یا گائے کا دودھ دے دے۔"

کھانے میں دودھ استعمال کرنا: کھانا کھاتے وقت ہم بہت سے لوازمات کا استعمال کرتے ہیں جیسے کھانے کو ذائقہ دار بنانے پاپڑ، چٹنی، اچار، گھی وغیرہ، اسی طرح بعض صحابہ کرام کھانے کے ساتھ دودھ بھی استعمال کیا کرتے تھے جیسے ہمارے پاس بعض بزرگ دہی کا استعمال کرتے ہیں۔ ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا سماک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں سیدنا عکرمہ

ؓ کے پاس ایسے دن گیا جس کے بارے میں شک تھا کہ یہ شعبان کا دن ہے یا رمضان المبارک کا؟ (یعنی مہینہ کا آخری چاند دیکھنے میں شک ہو گیا) عکرمہ روٹی، سبزی ،اور دودھ تناول فرمارہے تھے۔۔۔الخ“ (سنن نسائی:2191)

دودھ بطور مشروب: ہم بہت سے مشروب نوش فرمانے کے عادی ہیں کبھی ہم پھلوں کا جوس پیتے ہیں، کبھی ہم بازاری مشروب بھی نوش فرمانے کے عادی ہیں حالانکہ بازاری مشروب مضر صحت ہوتے ہیں اسی طرح ہم چائے نوشی کے عادی ہیں جو انتہائی نقصان دہ ہے لیکن اہل عرب دودھ کو بطور مشروب کے استعمال کیا کرتے تھے کیونکہ یہ قوت وطاقت کا خزانہ ہے حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ سیدنا جریر ؓ بیان فرماتے ہیں کہ

«كَانَ ابن شِبْرَمَةَ لَايَشْرَبُ إِلَّا المَاءَ وَاللَّبَن»

”ابن شبرمہ پانی اور دودھ کے علاوہ کوئی مشروب نوش نہیں فرماتے تھے۔“ (سنن نسائی:5761)

دودھ میں مکھی گر جائے: جب بھی ہمارے کسی نوش فرمانے والے مشروب جیسے دودھ ، چائے ،شربت وغیرہ میں مکھی گر جائے تو اس مکھی کو ڈبو دیا جائے اور مشروب نوش فرمائیں کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری ہے اور دوسرے پر میں شفا ہے یہ ارشاد نبوی حکمتوں سے خالی نہیں جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا ابوہریرہ ؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

«إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِيْ شَرَابِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ (كُلَّهُ) ثُمَّ لَيَنْتَزِعَهُ، فَإِنَّ فِيْ إِحْدَى جَنَاحَيْهِ دَاءً وَفِيْ الْأُخْرَى شِفَاءً»

”جب مکھی تمہارے مشروب میں گر جائے تو اسے پورا ڈبو دیں کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفا ہوتی ہے۔“ (السلسلۃ الصحیحۃ:811)

ریوڑ کی بکریوں کا دودھ پینا کیسا ہے: اگر کوئی آدمی کسی جنگل میں جارہا ہو اور وہاں بکریاں چر رہی ہوں اسے شدید بھوک لگی ہو تو ریوڑ کے نگران کی اجازت سے اس کا دودھ پی سکتا ہے اور اگر ریوڑ کا مالک نہ ہو تو مالک کو تین مرتبہ آواز دی جائے جواب آئے تو ٹھیک ہے ورنہ ان بکریوں کا دودھ پینا جائز ہے لیکن دودھ کو اپنے برتن میں اپنے ساتھ لے جانا جائز نہیں ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا سمرہ بن جندب ؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

«إِذَاأَتَى أَحَدُكُمْ عَلَى مَاشِيَةٍ فَإِنْ كَانَ فِيْهَا صَاحِبُهَا فَلْيَسْتَأْذِنْهُ، فَإِنْ أَذِنَ لَهُ فَلْيَحْلَبِ وَلْيَشْرَبْ، وَ إِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهَا أَحَدٌ فَلْيَصُوتُ ثَلَاثًا، فَإِذَا أَجَابَهُ أَحَدٌ فَلْيَسْتَأْذِنْهُ، فَإِنْ لَمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ فَلْيَحْتَلِبْ وَلْيَشْرَب وَلَايَحْمِلْ»

” جب تم میں سے کوئی کسی ریوڑ کے پاس آئے تو اگر ان میں ان کا مالک موجود ہو تو اس سے اجازت لے، اگر وہ اجازت دیدے تو دودھ پی لے ،اگر ان میں کوئی نہ ہو تو تین بار آواز لگائے ،اگر کوئی جواب دے تو اس سے اجازت لے لے،اگر کوئی جواب نہ دے تو دودھ پی لے لیکن ساتھ نہ لے جائے۔“ (جامع ترمذی:1296)

غیر مسلم کو دودھ پلانا: کسی بھی غیر مسلم بھوکے کو پیٹ بھر کھلانے اور پلانے کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو دی ہے، کیونکہ یہ حسن سلوک اور احسان ہے، اس عمل سے دلوں میں نرمی پیدا ہوتی ہے اس طرح غیر مسلم مسلمانوں کے قریب آسکتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہو تو دائرہ اسلام میں بھی داخل ہو سکتے ہیں، ہمارے ملک میں بہت سے غیر مسلم ایسے ہیں جنہیں پیٹ بھر غذا میسر نہیں ہوتی، رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے، سیدنا ابوہریرہ ؓ بیان فرماتے ہیں کہ

” رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک کافر مہمان کی حیثیت سے آیا آپ ﷺ نے اس کے لئے بکری کا دودھ دوہنے کا حکم دیا، بکری دوہی گئی، وہ مہمان دودھ پی گیا، پھر دوسری بکری کا دودھ دوہا گیا، اس مہمان نے اس کو بھی پی لیا، اس طرح وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا، پھر وہ دوسرے دن صبح ایمان لے آیا ،رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے ایک بکری کا دودھ دوہنے کا حکم دیا وہ دوہی گئی وہ اس کا دودھ پی گیا ،پھر آپ نے دوسری بکری کا دودھ دوہنے کا حکم دیا تو وہ مہمان اس کا پورا دودھ نہ پی نہ سکا اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :” مؤمن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں پیتا ہے“۔(ترمذی:1819)

ناپاک و نجس جانوروں کا دودھ نہیں پینا چاہئے: اللہ تعالیٰ نے 2 قسم کے جانور پیدا کئے ہیں:

پہلی قسم کے وہ جانور ہیں جو حلال ہیں، جن کا گوشت کھانا حلال وجائز ہے جیسے گائے، بیل، بھینس، اونٹ، بکری، مرغ اور اسی قبیلے کے اور جانور و پرندے۔

اسی طرح دوسری قسم کے وہ جانور ہیں جو حرام ہیں جن کا گوشت کھانا حرام وناجائز ہے جیسے درندے، گدھا، کتا، بلی، پنجوں سے شکار کرنے والے پرندے، خنزیر وغیرہ۔

اس بات کا خیال ہر مسلمان رکھے کہ جو بھی حلال جانور ہیں وہ اناج اور گھاس درخت کے پتوں جیسی پاک وصاف چیزیں کھاتے ہیں اسی لئے ان کا کھانا جائز ہے اسی طرح جو بھی حرام جانور ہیں وہ گندی اور نجس چیزیں کھاتے ہیں اسی لئے اسے حرام قرار دیا گیا ہے حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر

رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

«نَهَى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ أَكْلِ الجَلّالَةِ وَالبَانِهَا»

" رسول اللہ ﷺ نے گندگی کھانے والے جانور کے گوشت کھانے اور ان کے دودھ پینے سے منع فرمایا۔"

(جامع ترمذی: 1824، 1825 ؛سنن ابوداؤد: 3785؛سنن نسائی:4453؛سنن ابن ماجہ:3321)

گائے کے دودھ کا حکم: ماکول اللحم یعنی وہ جانور جن کا کھانا جائز اور حلال ہے ان کا دودھ حلال ہے جانوروں میں سب سے بہترین اور اچھا و شفا مند دودھ گائے کا ہوتا ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے گائے کے دودھ کو ترجیح دی ہے کیونکہ یہ غذا کے ساتھ دوا بھی ہے۔

جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَ جَلّ لَمْ يَنْزِلْ دَاءً إِلّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً إِلّا الهرَمَ، فَعَلَيْكُمْ بِأَلْبَانِ البَقَرِ فِإِنَّهَا تَرُمُّ مِنْ كُلِّ شَجَرٍ»

"یقینا اللہ عزوجل نے جو بھی بیماری نازل کی ہے اس کے ساتھ شفاء بھی نازل کی ہے سوائے بڑھاپے کے، گائے کا دودھ لازم کرلو کیونکہ یہ ہر درخت سے چرتی ہے۔" (السلسلہ الصحیحہ: 2296؛مسند احمد:7698)

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعا روایت کرتے ہیں کہ

«عَلَيْكُمْ بِأَلْبَانِ البَقَرِ فَإِنَّهَا تَرُمُّ مِنْ كُلِّ شَجَرٍ، وَهُوَ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ»

"گائے کا دودھ لازم کر لو کیونکہ یہ ہر درخت سے چرتی ہے اور یہ دودھ ہر بیماری سے شفا ہے۔" (السلسلہ الصحیحہ:2320)

ان دونوں احادیث میں گائے کے دودھ کی اہمیت معلوم ہوئی لہذا ہم گائے کا دودھ استعمال کریں کیونکہ بھینس کے دودھ میں بیماری ہوتی ہے وہ انتہائی گاڑھا ہوتا ہے گائے کے دودھ اور شہد میں ہر بیماری کے لئے شفا ہے لیکن ہم لوگ گائے کا دودھ پسند نہیں کرتے کیونکہ ہمارے ذہن میں یہ غلط بات ڈال دی گئی کہ گائے اور بکری کا دودھ مزاجا گرم ہوتا ہے، اسی خوف سے ہم ان دونوں کا دودھ نہیں پیتے بلکہ بھینس کا ثقل دودھ پیتے ہیں جو قبض کرنے والا ہے حقیقت یہ ہے کہ گائے کا گوشت اور بھینس کا دودھ مضر صحت ہے اس کے برخلاف ہمارے ملک کے غیر مسلم گائے کا دودھ اور گائے کا گھی پسند کرتے ہیں۔

گاڑھا دودھ فتنہ ہے: گاڑھا، جھاگ والا دودھ خالص تصور کیا جاتا ہے اسی لئے لوگ عموما گاڑھے دودھ کو ترجیح دیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا، اسی لئے گزشتہ احادیث میں آپ نے پڑھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دودھ میں پانی ملاکر پیتے تھے، یہاں اس بات کا تذکرہ کرنا مناسب ہوگا کہ ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ صوبہ کیرالہ اور تملناڈو میں چائے کی طرح دودھ پیا جاتا ہے جس میں گرم پانی ملا کر اسے پتلا کرتے ہیں جس کو تمل ناڈو میں "چینا" کہتے ہیں یہی درست بات ہے گاڑھا دودھ ثقل ہوتا ہے اسی لئے اسے پتلا کرنا چاہئے۔ گاڑھے دودھ کے پیچھے امت پڑجائے گی اس کا خدشہ رسول اللہ ﷺ کو پہلے ہی سے تھا جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

«لَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِيْ إِلّا اللَّبَنَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ بَيْنَ الرَّغْوَةِ وَالصَّرِيْحِ»

"اپنی امت پر مجھے سب سے زیادہ خوف دودھ کے معاملے کا ہے، کیونکہ شیطان، خالص دودھ اور جھاگ کے درمیان ہے۔" (مسند احمد:5932)

دودھ پیتے ہوئے اللہ کی تعریف بیان کرنا چاہئے: جب ہم کھانے کی کوئی بھی چیز تناول فرمائیں یا اور کوئی مشروب نوش فرمائیں تو کھاتے پیتے درمیان میں اللہ کی تعریف کرتے رہیں، جیسے الحمدللہ کہیں، سبحان اللہ کہیں، ماشاء اللہ کہیں، تبارک اللہ کہیں، ان کلمات کے ادا کرنے سے کھانے پینے میں برکت آتی ہے اور شکر گزاری کا اظہار ہوتا ہے مشروبات میں دودھ سب سے لذیز و صحت بخش نعمت ہے جس کی ایک ایک چسکی پر ہم اللہ کی حمد بیان کریں جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ لَيَرْضٰى عَنِ العَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الأَكْلَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا أَوْيَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا»

" اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس بات پر بندے سے راضی ہوتا ہے کہ وہ جب بھی کھانا کھائے اس پر اللہ کی تعریف و بڑائی بیان کرتا رہے اور پینے کی کوئی بھی چیز جب پیتا ہے تو اللہ کی حمد وثنا بیان کرتا ہے" (مسلم:6932)

دودھ پینے کے بعد کی دعا: دین اسلام نے ہر کام کے بعد یا پہلے دعائیں پڑھنے کی تعلیم دی ہے دعا پڑھنے سے برکت حاصل ہوتی ہے اور انسان شیطانی شرارتوں سے محفوظ رہتا ہے دودھ پینے کے بعد بھی دعا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اکثر مسلمانوں کو دودھ پینے کی دعا معلوم نہیں ہمیں چاہئے کہ اپنی اولاد کو یہ دعا سکھائیں، حدیث مبارکہ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :«إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَاماً فَلْيَقُلْ: اللّٰهُمّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ، وَأَطْعِمْنَا خَيْراً مِنْهُ، وَإِذَا سُقِيَ لَبَنًا، فَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ، فَإِنّهُ لَيْسَ بِشَيْئٍ يُجْزِئُ مِنَ الطّعَامِ وَالشّرَابِ إِلّا اللّبَنَ»

"جب تم میں کا کوئی آدمی کھانا کھائے تو یہ دعا پڑھے:" اے اللہ ہمیں اس میں برکت اور مزید اس سے اچھا کھلا، اور جب میں کا کوئی آدمی دودھ سے سیراب ہو تو یہ دعا پڑھے:" اے اللہ تو اس میں برکت عطا فرما اور اس مزید عطا فرما" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "دودھ کے سوا کوئی ایسی چیز نہیں جو کھانے اور پینے دونوں کی جگہ کھانے اور پینے کی ضرورت پوری کرے۔" (سنن ابو داؤد:3730 ؛ جامع ترمذی:3455)

دودھ سے متعلق یہ چند تفصیلات تھیں جو افادہ عامہ کی خاطر تحریر کردی گئیں اللہ تعالیٰ ان باتوں پر غور وفکر کرنے اور حسن عمل کی توفیق و سعادت نصیب فرمائے۔ (آمین)



اذان اور اقامت کے متعلق

حدیث نمبر:63

عَنْ عبد الله بن عمر رضي الله عَنْه عَنْ رسول الله ﷺ أَنَّهُ قال : «إنّ بِلالاً يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّى يُؤَذِّن ابْنُ أُمّ مَكْتُومٍ».(رواه البخاري، كتاب الأذان، باب أذان الأعمى إذا كان له من يخبره، برقم 617، وباب الأذان قبل الفجر، برقم 622، و623، وكتاب الشهادات، باب شهادة الأعمى، برقم 2656، بلفظه، ومسلم، كتاب الصيام، باب بيان أن الدخول في الصوم يحصل بطلوع الفجر، وأن له الأكل وغيره حتى ...، برقم 1092، وفيه: «... ولم يكن بينهما إلا أن ينزل هذا، ويرق هذا»..)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بلال رات کو اذان دیتے ہیں تو تم کھانا پینا(روزہ رکھنے کے لیے سحری) کر لیا کرو یہاں تک کہ عبد اللہ بن ام مکتوم اذان دے۔"

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1۔ يُؤَذِّنُ :اذان دیتا ہے یا دے گا۔
2۔ فَكُلُوْا :پس تم کھاؤ۔
3۔ وَاشْرَبُوا :اور تم پیو۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ ضرورت اور مصلحت کے تحت ایک مسجد میں ایک سے زائد مؤذن مقرر کئے جاسکتے ہیں۔
2۔نابینا یا کوئی شخص جو جسمانی طور پر کمزور یا معذور ہو تو اس کے باوجود اس کو آذان اور امامت سمیت کوئی بھی ذمہ داری وغیرہ دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ اس کا اہل ہو اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو معذور شخص کی امامت وغیرہ کو درست نہیں سمجھتے ہیں۔
3۔لوگوں کو کسی مصلحت کے تحت بیدار کرنے وغیرہ کے لئے طلوع فجر سے پہلے اذان کہی جا سکتی ہے۔ لیکن آذان دینا جہاں سنت نہیں (مثلاً دن کے وقت وغیرہ) وہاں نہیں دی جا سکتی ہے۔
4۔خبر واحد قابل قبول ہے اور اس پر عمل اسی طرح کیا جائے گا جس طرح متواتر پر عمل کیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ خبر دینے والا قابل اعتماد ہو۔
5۔روزہ رکھنے والا صبح صادق سے پہلے پہلے کھا پی سکتا ہے۔ سحری کھانے کو صبح صادق تک موخر کرنا مستحب ہے۔
6۔روزہ کے لیے سحری کرنا افضل ہے۔
7۔بعض دفعہ امر یعنی حکم سے مراد صرف جواز اور بعض دفعہ استحباب ہوتا ہے۔ جیسے اس حدیث میں کلوا واشربوا ہے۔

اذان اور اقامت کے متعلق

حدیث نمبر:64

عَنْ أبي سعيد الخدري رضي الله عَنْه قال : قال رسول الله ﷺ : «إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ». (رواه البخاري، كتاب الأذان، باب ما يقول إذا سمع المنادي، برقم 611، ومسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه ثم يصلي على النبي ﷺ، ثم يسأل الله له الوسيلة، رقم 383، واللفظ له)

حدیث مبارکہ سلیس ترجمہ

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جب مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے۔"

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 : إِذَا سَمِعْتُمُ :جب تم نے سنا۔
2 : الْمُؤَذِّنَ :اذان دینے والا۔
3 : قُوْلُوْا :تم کہو۔
4 : مِثْلَ مَا يَقُوْلُ :جس طرح وہ کہتا ہے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

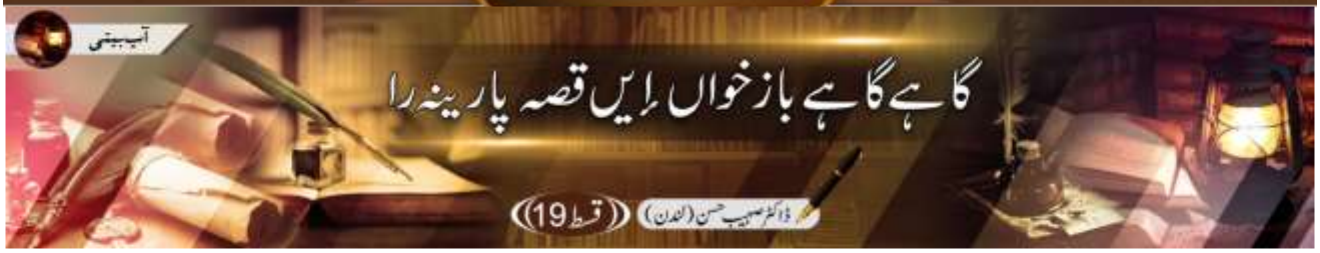
1۔مؤذن کا جواب دینا شرعاً مسنون و مستحب عمل ہے۔
2۔جواب دینے والا پہلے مؤذن کا کلمہ سنے پھر وہ ان کلمات کو دہرائے۔
3۔جواب دینے والا اپنے کام میں مشغول رہتے ہوئے بھی اذان کا جواب دے سکتا ہے اس کے لیے کام ترک کرنا ضروری نہیں ہے۔ البتہ غیر ضروری کام اور بات روک دینی چاہیے تاکہ آذان کے کلمات پر زیادہ سے زیادہ توجہ دی جاسکے۔
4۔ایک دوسری حدیث جس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا اس کے مطابق جواب دینے والا جب مؤذن کی اذان سے حَيّ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَيّ عَلَى الْفَلَاحِ کے کلمات سنے تو اس کے جواب میں: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّابِاللهِ کہے۔
5:اذان سننے کے بعد یہ دعا پڑھے

اَللّٰهمّ رَبَّ هَذِهِ الدّعْوَةِ التّامّةِ وَالصّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مّحْمُوْدًا نِ الّذِيْ وَعَدْتَهُ:

صحیح بخاری میں سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے اذان سن کر یہ دعا پڑھی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔

6۔کسی مسئلہ پر عمل کرنے کے دوسری احادیث کو مد نظر رکھنا چاہیے۔ راوی یا محدث کا حدیث کے بعض الفاظ کو بیان کرنا اور بعض کو چھوڑنا معیوب نہیں ہے۔
7۔عامی کو چاہیے کہ سنت کے مطابق عمل کے لیے قرآن و حدیث کے ماہر عالم سے راہنمائی لے تاکہ حدیث کو سمجھنے میں غلطی سے بچ جائے۔

☆☆☆



گھانا کا ایک سفر

26/جون، بروز جمعہ

آج صبح فجر کے بعد صبح کی سیر کے لیے مدرسہ کے ارد گرد جنگل کا راستہ لیا۔ دو طلبہ ہمراہ تھے، پانی کا ایک نالا ساتھ ساتھ بہہ رہا تھا۔

جمعہ کے خطبہ کے لیے مسجد اقصیٰ نامی مسجد کا انتخاب کیا گیا تھا۔ مسجد کا مرکزی ہال اور ارد گرد کے دالان میں نمازیوں کا خوب ہجوم تھا۔ حقیقت تقویٰ کے موضوع پر خطاب تھا، عربی خطبے کے ساتھ ساتھ انگریزی میں بھی ترجمانی کرتا رہا۔ واپسی میں مارکیٹ سے گذرے لیکن دکانیں 'متاع قلیل' کا منظر پیش کر رہی تھیں، مجھے سوائے جوتے کے ایک جوڑے کے اور کچھ نہ بھایا۔

نماز عصر کے بعد ABLIABA کی مسجد میں جانا طے تھا، مسجد کے بالمقابل ایک دوسری مسجد بھی نظر آگئی اور مجھے بتایا گیا کہ اس کا تعلق تیجانی طریقے سے ہے۔ تیجانی طریقہ مغربی افریقہ کے سلاسل تصوف کا ایک مشہور سلسلہ ہے۔ راستے میں گنبد ومینار سے مزین دو اور مسجد بھی نظر آئیں جس میں ایک مرکزی جامع مسجد بھی تھی اور دونوں کے متولی تیجانی طریقے سے وابستہ تھے۔ میرا خطاب عربی میں تھا، برادرم توفیق مقامی زبان میں ترجمانی کا فرض انجام دیتے رہے۔ ابتدائے خطاب میں نبی ﷺ کے سفر اسراء اور معراج کا بیان رہا اور پھر نبوت کے مدعی کاذب مرزا قادیانی کے جھوٹے دعاوی اور ان کی حقیقت پر روشنی ڈالی، 'الہامی گرگٹ' کے نام سے ایک کتاب جس میں مرزا کے 71 دعوؤں کا ذکر ہے، زیر بحث رہی۔ ہمارے سامعین زیادہ تر قادیانی مبلغین کی ہفوات سنتے رہے تھے اور ان کے علم میں وہ باتیں نہ تھیں جو میں نے ان کے گوش گذار کیں۔

ڈیڑھ گھنٹہ کے خطاب کے بعد نماز مغرب ادا کی اور واپس لوٹے، اس مسجد میں کوئی ایک سو کے قریب اشخاص کی گنجائش تھی۔ مسجد سے باہر بھی کچھ لوگ موجود تھے۔

مدرسہ لوٹنے پر دو طلبہ میرے منتظر تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ ان کا تعلق احمدیہ جماعت سے ہے، چنانچہ ان کے ساتھ ایک گھنٹہ نشست رہی۔ دونوں طلبہ اپنے مزعومہ عقائد کا خوب دفاع کرتے نظر آئے۔ دلائل سے زیادہ وہ خلیفہ قادیانی کی طرف رجوع کرنے کی خواہش کرتے رہے۔ یعنی کچھ نہیں جانتا، میرے بڑوں سے بات کریں۔ اس رات آسمان کھل کر برسا اور فجر تک جھڑی لگی رہی۔

27جون، بروز ہفتہ

نماز فجر کے بعد چند طلبہ اور استاد یوسف کے ساتھ ایک آیت یا ایک چھوٹی سورت کے معانی اور مطالب کے بارے میں بات ہوتی رہی اور پھر معمول کے مطابق باہر کا راستہ لیا اور صبح کی سیر کا لطف اٹھایا۔

سپریم کونسل یا مجلس اعلیٰ کے نام سے یہاں ایک تنظیم قائم ہے، اس کے ارکان جن میں ڈاکٹر احمد، شیخ بکر اور چند دوسرے مشائخ شامل تھے، آج صبح تشریف لائے اور میری موجودگی میں انہوں نے اپنا اجلاس منعقد کیا۔

اس اجلاس کی بدولت مجھے ان کی مصروفیات کے بارے میں علم ہوا۔ مدرسہ کے طلبہ ایک بڑی درسگاہ میں جمع ہو چکے تھے، جہاں گھنٹہ بھر قیام رہا جس میں اس حدیث (الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر) کے تناظر میں انسان اور شیطان کے مابین جاری کشمکش پر سیر حاصل گفتگو رہی۔

میں نے ذکر کیا کہ اس حدیث کا ایک مفہوم تو بالکل واضح ہے کہ مؤمن کے لیے یہ دنیا جیل کی مانند ہے کہ یہاں انسان کو چند ضابطوں اور قواعد کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ جیسے حلال اور حرام کی تمیز کرنا، یہ کرو، یہ نا کرو، پر عمل کرنا پڑتا ہے۔ نفس کی ناجائز خواہشات کو کچلنا پڑتا ہے۔ فرائض اور عبادات کی ادائیگی میں اپنے آپ کو آمادہ کرنا پڑتا ہے اور اس کے برخلاف ایک کافر کے لیے یہ دنیا یوں ایک جنت ہے کہ وہ اپنے آپ کو تمام پابندیوں سے آزاد سمجھتا ہے۔ وہ جیسے چاہتا ہے اپنی زندگی گزارتا ہے۔ اسے حلال وحرام کی کیا پرواہ، وہ تو وہی کچھ کرتا ہے جو اس کے من میں آتا ہے اور اس حدیث کا ایک دوسرا مفہوم قاضی مصر ابن حجر ہیثمی کے اس واقعہ سے ابھر کر سامنے آتا ہے کہ ایک دن قاضی صاحب عدالت کی طرف جارہے تھے۔ گھوڑے پر سوار، زرق برق لباس میں ملبوس اور ایک شان وشوکت ان کی ذات سے ٹپکتی تھی۔ راستے میں ایک غیر مسلم تیلی کی دکان تھی۔ مٹی کا تیل بیچنے کی بنا پر اس کے ہاتھ اور کپڑے سب آلودہ تھے۔ شکل پر بھی فقر وفاقہ اور مسکینی غالب تھی۔ جونہی قاضی صاحب کی سواری اس کی دکان کے قریب پہنچی وہ کود کر سامنے آکھڑا ہوا اور چلا کر بولا:

قاضی صاحب! قاضی صاحب! میں نے آپ کے رسول کی ایک بات سنی ہے کہ دنیا مؤمن کے لیے ایک جیل خانہ اور کافر کے لیے ایک بہشت ہے، تو مجھے اپنی حالت زار اور اس کے مقابلے میں آپ کی شان وشوکت کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس حدیث میں کہاں تک صداقت ہے، کیونکہ دیکھا جائے تو میں ایک کافر ہوں لیکن جیل خانے کی سی زندگی گزار رہا ہوں اور آپ ایک مؤمن ہیں اور جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

قاضی صاحب نے ذرا توقف کیا اور پھر اس سے کہا: ہمارے رسول کی بات بالکل درست ہے جو کچھ تمہیں

اس دنیا میں حاصل ہے، وہ اس تکلیف اور عذاب کے مقابلے میں جو تمہیں اپنے کفر کی بنا پر حاصل ہو گا، وہ کسی جنت سے کم نہیں اور ہمیں بحیثیت مؤمن جنت میں جن آسائشوں، نعمتوں اور عیش و آرام کی جو نوید سنائی گئی ہے، اس کے مقابلے میں دنیا یک یہ ساری شان و شوکت کچھ بھی نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ایک قیدی کو جیل خانہ میں کچھ کھانا پینا نصیب ہو جائے!!

عصر کے بعد ہم Tammilf شہر کو جانے والے راستے پر ایک دوسرے افریقن محلے میں پہنچے۔ یہاں کویت کے بعض مخیر افراد کی طرف سے مدرسہ کے صحن میں ایک کنواں کھدوایا گیا تھا جو نہ صرف مدرسے کے طلبہ بلکہ مدرسہ کے پڑوسیوں کے لیے بھی چشمۂ رحمت ثابت ہو رہا تھا۔ یہاں میرا خطاب (اليوم أكملت لكم دينكم) کے تناظر میں تھا۔

نبوت کے خصائص اور خاص طور پر ختم نبوت کی اہمیت پر بات ہوئی اور یہ کہ اللہ کے رسول قیامت تک کے لیے ہمارے اسوۂ حسنہ ہیں اور پھر مرزا قادیانی کے جھوٹے دعوؤں پر بات ہوئی۔ خاص طور پر محمدی بیگم سے شادی کیے جانے کی پیشین گوئی جو مرزا کی اپنی موت تک باعث حسرت بن گئی۔ اس مباہلے کا بھی ذکر کیا جو انہوں نے مولانا ثناء اللہ کو چیلنج کرتے ہوئے دیا تھا کہ دونوں میں سے کاذب کی موت صادق کی زندگی میں ہو گی اور پھر دنیا نے دیکھا کہ مرزا 26 مئی 1908ء کو اس دنیا سے سدھارا اور مولانا ثناء اللہ اس کے بعد چالیس سال زندہ رہے۔

اقامت گاہ لوٹنے کے بعد برادرم یوسف سے شیعی عقائد کے بارے میں تفصیلی بات ہوتی رہی۔ 10 بجے رات بستر کی راہ لی۔ برطانیہ مین ان دنوں ہم عشاء کی نماز سے رات 11 بجے کے بعد فارغ ہوتے ہیں اور شب خوبی کی نوبت آدھی رات سے قبل نہیں آتی۔ وللہ الحمد

28/جون بروز اتوار

فجر کے بعد سورۃ الکوثر کا مختصر بیان ہوا اور پھر صبح کی سیر کا معمول جاری رہا۔ آج اکرا کی واپسی کا دن تھا۔ شیخ آدم ایک اسکول ٹیچر مسیحی نوجوان کو لے کر آئے جو اسلام قبول کرنے پر آمادہ تھا۔ اسلام کے مبادیات پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ اس نے برضا و رغبت کلمہ طیبہ پڑھا اور دائرہ اسلام میں داخلے کی سعادت حاصل کی۔ اپنے لیے عبد الکریم کا نام پسند کیا۔ پھر ہم Bantama کے علاقے میں گئے جہاں گھانا مسلم مشن سے وابستہ مرد وزن موجود تھے۔ انہوں نے پہلے اپنا تعارف کرایا اور پھر میں نے اپنے خطاب میں قرآن وسنت پر مبنی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں قادیانیت کے گمراہ کن عقائد سے خبردار کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے مشن کی پورے ملک میں شاخیں موجود ہیں۔

ہم نے پھر ایئرپورٹ کی راہ لی۔ راستے میں اسلامی امور کی سپریم کونسل کے اس قطعۂ ارض پر رکے جہاں وہ ایک اسلامک انسٹیٹیوٹ قائم کرنا چاہتے ہیں، وہاں سے ایک دوسرے قطعۂ ارض پہنچے جہاں انہوں نے کونسل کے مرکزی دفاتر کی بنیادی رکھ دی تھیں۔ اور اب اس کی عمارت تعمیر کرنے اور بچوں کی ایک نرسری اسکول قائم کرنے کی تگ ودو میں تھے۔

بالآخر ایئرپورٹ پہنچے۔ جہاز ڈھائی بجے ظہر اپنے مقررہ وقت پر آ چکا تھا۔ ایئرپورٹ کے سامنے ایک مصلیٰ میں ہم نے نماز ادا کی۔ اپنے میزبانوں کو الوداع کیا۔ میرے ساتھ استاذ محمد کامل بھی اسی جہاز میں سوائے ہوئے۔

یہ ایک چھوٹا جہاز تھا جو پہلے پندرہ منٹ کی پرواز کے بعد Suyami جا اترا، جہاں ہمارے میزبان حضرات ایک دعوتی کیمپ لگانے کا عزم رکھتے تھے، جو بعض اسباب کی بنا پر منعقد نہ کیا جا سکا۔ یہاں سے 35 منٹ کی پرواز کے بعد ہم 'اکرا' ایئرپورٹ پر اتر چکے تھے۔ 'اکرا' ایئرپورٹ کے ایک نواحی علاقہ 'نیا' میں شیخ عمر ابراہیم کا مرکز ہمارا اگلا پڑاؤ تھا، جہاں بعد نماز مغرب ختم نبوت کے موضوع پر پونا گھنٹہ خطاب رہا۔

ساڑھے سات بجے عشاء کی نماز ادا کی جا رہی تھی۔ مصلیٰ مدرسے کی نچلی منزل میں واقع تھا، جہاں اندر باہر نمازیوں کی بڑی تعداد موجود تھی، جو ہمارے لیے بڑی خوش آئند بات تھی۔

شیخ عمر اپنی گاڑی میں ایئرپورٹ چھوڑنے کے لیے آئے۔ یہاں افراتفری کا عالم تھا۔ نظم وضبط جیسے بسوں کے اڈہ میں نہ تھا، یہاں بھی ویسا ہی عالم تھا، بمشکل ایئرپورٹ کی تمام کاروائی سے گزر کر عمارت کے بالائی ہال تک رسائی ہوئی جہاں ایک راہداری سے ہوتے ہوئے ہم جہاز میں داخل ہوئے۔

جہاز اپنے مقررہ وقت یعنی گیارہ بجے رات عازم لندن ہوا۔

اللہ کا شکر ادا کیا کہ اب تک سارے کام سہولت سے ہوتے رہے تھے۔ کیپٹن نے اعلان کیا کہ یہ جہاز 33 سے 36 ہزار کی فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے ہوئے ساڑھے چھ گھنٹے میں اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔

اگر اسی وقت ایک پرواز جدہ سے لندن کے لیے روانہ ہو تو وہ بھی اتنے ہی وقت میں لندن پہنچتی ہے۔ مقصورہ جہاز کی اسکرین پر ایک فلم دکھائی جا رہی تھی، میں نے کوئی ایک گھنٹہ نیند کا مزہ چکھا لیکن چونکہ رات کے کھانے کا وقت ہو چلا تھا، اس لیے حالت خواب سے نکلنے پر مجبور تھا۔

کچھ دیر بعد صبح صادق کی روشنی جہاز کے شیشوں سے جھانکتی نظر آئی۔ یہ کوئی ساڑھے تین بجے کا عمل ہو گا، چنانچہ اپنی سیٹ پر نماز فجر ادا کرنے کا موقع مل گیا۔ اور ابھی کوئی آدھا گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ سورج طلوع ہوتا نظر آیا، برطانیہ میں چونکہ موسم گرما میں گھڑیاں ایک گھنٹہ آگے کر دی جاتی ہیں اس لیے وہاں صبح پانچ بج رہے تھے۔

جس وقت ہم لندن ایئرپورٹ پر داخل ہوئے تو اس وقت بارہ اور پروازیں لینڈ کر چکی تھیں، اس لیے خوش آمدید کہنے والے لوگوں کا ہجوم تھا، جو اپنے اپنے دوست واحباب اور اقارب کی پذیرائی کے لیے وہاں موجود تھے۔

ایک دفعہ پھر بخیریت وعافیت گھر پہنچنے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

ولله الأمر من قبل ومن بعد



تاریخ اہل حدیث

ڈاکٹر بہاء الدین

دراصل اس کام کا اہل صرف فقہاء کو قرار دینے میں جو فلسفہ کارفرما ہے وہ ان حضرات کا یہ دعوی ہے کہ محدثین (نعوذ باللہ) اجتہاد و تفقہ کی صلاحیت سے محروم تھے، وہ ایک عطار (دوافروش) کی طرح تھے، اصل حکیم یعنی فقیہہ تو فقہاء ہی تھے جو جڑی بوٹیوں کے خواص کے علم کی طرح احادیث کے اندر منہاں اصل حکم کی تہ اور علت تک پہنچے۔

ظاہر بات ہے یہ دعوی حقیقت کے بھی خلاف ہے اور ائمہ حدیث کی توہین بھی، کیونکہ محدثین کرام اجتہاد و تفقہ کی صلاحیتوں سے بھی بہرہ ور تھے۔ ان کی مدونہ کتب حدیث اس پر شاہد عدل ہیں بالخصوص امام بخاری کا مقام تو تفقہ کے لحاظ سے بھی امت میں بے نظیر ہے کہ ایک ایک حدیث سے انہوں نے کئی کئی مسائل کا استنباط کیا ہے۔ ہاں ایسے تفقہ سے وہ بلاشبہ عاری تھے جو فقہائے مقلدین کو ودیعت کیا گیا اور جس کے بل پر انہوں نے قرآن و حدیث کے نصوص سے اعراض کیا یا ان کی دور از کار تاویلیں کر کے ان کو رد کرنے کی مذموم سعی کی۔

حقیقت یہ ہے کہ محدثین کرام نرے روایات کے جامع نہیں تھے بلکہ وہ احادیث کے مفہوم اور ان سے مستنبط مسائل کا پورا ادراک رکھتے تھے اور شارع کا ٹھیک ٹھیک منشاء بھی انہوں نے سمجھا اور اسی خداداد تفقہ کی بنیاد پر انہوں نے فقہی ابواب کے مطابق احادیث کو مرتب کیا۔ جہاں فی الواقع نسخ تھا، اس کی وضاحت کی، استحباب و وجوب کے درمیان بھی حسب ضرورت فرق بیان کیا۔ اس کے مقابلے میں فقہاء کے اجتہاد و تفقہ کی بنیاد کیا رہی؟ یہ کہ جو حدیث صحیح ان کے فقہی مذہب یا قول امام کے خلاف ہوئی، اسے منسوخ کہدیا، یا وجوب کے بجائے استحباب پر محمول کر لیا، یا اسی انداز کی کوئی اور رکیک تاویل کر لی۔ گویا فقہاء نے ناسخ و منسوخ یا وجوب و استحباب کی یہ کاوشیں شرعی مسائل کی تنقیح و تہذیب کے لئے نہیں بلکہ احادیث کو توڑ مروڑ کر ان کو اپنے تقلیدی مذہب کے مطابق بنانے کے لئے کی ہیں۔ بلا شبہ محدثین ایسی، فقاہت، سے محروم تھے۔

مولف، بارہ مسائل، کی پانچویں شق: اس حدیث سے متعارض دوسری احادیث کے تعارض و تضاد کو دور کرنا (یہ بھی مجتہد کا کام ہے) متعارض نصوص کے درمیان جمع و تطبیق یا ترجیح بلاشبہ مجتہد کا کام ہے لیکن یہ اجتہادی نوعیت کا کام بھی صرف ائمہ حدیث نے کیا ہے اور اس خوبی سے کیا کہ ان پر کسی مقام پر بھی ترک حدیث کا الزام عائد نہیں ہوتا، کیونکہ جمع و تطبیق کی ضرورت ان متعارض نصوص میں پیش آتی ہے، جو صحت سند میں مساوی ہوں، لیکن جہاں دو متعارض حدیثیں ایسی ہوں کہ ایک سنداً صحیح ہو اور دوسری ضعیف، تو وہاں جمع و تطبیق اور ترجیح کی ضرورت ہی نہیں، صحیح السند روایت قابل قبول ہوگی اور دوسری ناقابل قبول۔ محدثین کرام نے اسی اصول کے مطابق تمام روایات کی تنقیح و ترجیح اور ان کے درمیان جمع و تطبیق کا بے مثال کارنامہ سرانجام دیا ہے جس میں ان کے پیش نظر نہ کوئی خانہ ساز اصول تھے، نہ مخصوص آراء الرجال کی ترجیح کا مسئلہ۔ صرف ان احادیث رسول کی تدوین و حفاظت اور ان کی تنقیح و تہذیب ان کا مقصد تھا، جن پر دین اسلام کا مدار ہے۔

اس کے برعکس فقہائے مقلدین کے کام کی نوعیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مذہب کے خانہ ساز اصول و قواعد سامنے رکھے اور اپنے ائمہ کے اجتہادات واقوال کی تصویب و ترجیح ان کے پیش نظر رہی۔ اس ذہنی تحفظ اور مخصوص مفادات کے ساتھ انہوں نے قران و حدیث کے نصوص کو پرکھا اور ان پر نظر ڈالی جو احادیث صحیحہ ان کے خانہ ساز اصولوں سے ٹکرائیں، انہیں ناقابل اعتبار قرار دیا، یا منسوخ باور کرایا، پھر ان میں ایسی دور از کار تاویلات کیں کہ بقول اقبال:

خدا جبریل اور مصطفی ﷺ بھی حیرت زدہ ہو گئے
ز من بر صوفی و ملا سلامے
کہ پیغام خدا گفتند مارا
ولے تاویل شان در حیرت انداخت
خدا و جبریل و مصطفی را

اور یہی حشر ان احادیث کے ساتھ کیا جو اجتہادات ائمہ کے مخالف تھیں۔ اور دوسرا ظلم یہ کیا کہ احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں ان ضعیف و مرسل بلکہ موضوع روایات تک کو اپنا لیا، جن سے ان کے خود ساختہ اصولوں اور اجتہادات کی تائید و حمایت کا پہلو نکلتا ہے، ظاہر بات ہے کہ احادیث صحیحہ و قویہ کو نظر انداز کر کے ضعاف و مراسیل اور من گھڑت روایات سے استناد کرنے کو دنیا کی کوئی عدالت بھی جمع و تطبیق اور ترجیح کا نام نہیں دے سکتی۔ یہ سراسر خواہش نفس، خود غرضی اور مفاد پرستی ہے، اور اسی لئے ترک حدیث کا الزام بھی بجا طور پر ان فقہاء پر عائد

ہوتا ہے۔ آخر صحیح اور قوی حدیث کے ہوتے ہوئے غیر صحیح اور ضعیف حدیث پر اصرار کرنا ترک حدیث نہیں تو اور کیا ہے؟ بلکہ بعض مقامات پر تو مقلدین نے اس اعتراف کے ساتھ حدیث کو ترک کر دیا ہے کہ یہ ہمارے مذہب کے خلاف ہے (دیکھئے تقریر ترمذی جناب محمود حسن دیوبندی)

نیز اس طرح حدیث صحیح کے ترک سے شارع کا کون سا منشا پورا ہوتا ہے؟ ذرا، اجتہاد تفقہ، کی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ہمیں بھی تو بتلایا جائے:

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا۔

تدوین حدیث سے قبل جن فقہاء و آئمہ سے جہاں کہیں احادیث ترک ہوئی، اس کی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ انہوں نے محض خواہش نفس کی بنا پر ایسا نہیں کیا، وہ خدا کے ہاں معذور وماجور ہوں لیکن جن فقہاء نے احادیث صحیحہ کی تدوین و تنقیح کے بعد بھی محض تقلید مذہب کی بنیاد پر احادیث ترک کی ہیں، وہ کیونکر معذور سمجھے جا سکتے ہیں، ہماری ساری بحث ایسے ہی فقہائے مقلدین کے بارے میں ہے، جنہوں نے واقعتاً خواہش نفس (یعنی اپنے خود ساختہ مذاہب کی حمایت میں) احادیث صحیحہ کا ترک واستخفاف کیا ہے۔ یا ان کے معانی میں تحریف کی ہے، جس طرح سلام پھیرنے کے وقت ہاتھ اٹھانے سے ممانعت کی حدیث کا انطباق آج کل کے بعض حنفی علماء رفع الیدین عند الرکوع وعند رفع الراس پر کر کے حدیث رسول ﷺ میں معنوی تحریف کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

فقہاء کی بابت یہ دعوی کرنا کہ وہ محدث بھی تھے اور فقیہ بھی، ایک بے بنیاد دعوی ہے۔ کیونکہ اجتہاد و تفقہ علم حدیث میں کامل مہارت کے بغیر ممکن نہیں۔ اور فقہائے کرام بالخصوص حنفی فقہاء کو علم حدیث میں کامل مہارت تو کجا مہارت بھی حاصل نہ تھی جس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

1۔ حنفی فقہاء نے اپنی کتابوں میں بہت سی موضوع اور من گھڑت روایات سے استدلال کیا ہے، حتی کہ ہدایہ جیسی کتاب میں بھی من گھڑت روایات موجود ہیں، جسے حنفیوں نے قرآن کی مانند کہا ہے۔ الہدایہ کالقرآن، اور در مختار بھی فقہ حنفی کی نہایت معتبر اور چوٹی کی کتاب ہے۔ اس میں ابو حنیفہ سراج امتی والی من گھڑت روایت سے استشہاد کیا گیا وعلی ہذا القیاس دوسری کتب فقہ ہیں۔

2۔ بہت سے مقامات پر اصل احادیث میں الفاظ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

3۔ بعض موضوع یا ضعیف روایات صحیح بخاری یا بعض دوسری کتب حدیث کے حوالے سے نقل کی گئی ہیں حالانکہ وہ روایات ان محولہ کتب حدیث میں موجود ہی نہیں ہیں۔

یا علم حدیث میں مہارت رکھنے والوں کا یہی حال ہوتا ہے؟ کہ انہیں صحیح اور موضوع حدیث کا بھی پتہ نہیں چلتا اور حدیث کے الفاظ میں کمی بیشی کرنا بھی کیا علم حدیث میں کامل مہارت کی غمازی کرتا ہے؟ نیز احادیث کا غلط انتساب بھی مہارت فن حدیث کا کوئی حصہ ہے؟

امور مذکورہ بالا سے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ حنفی فقہاء علم حدیث سے کورے تھے۔ اگر ہماری بات پر اعتبار نہیں تو ہم حنفی علماء کی صراحتیں بھی پیش کئے دیتے ہیں لیجئے سنیے:

1۔ ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

لاعبرة بنقل النهاية و لا ببقية شراح الهداية فإنهم ليسوا من المحدثين و لا اسندوا الحديث إلى أحد من المخرجين (الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ المعروف بہ موضوعات کبیر: ص356 طبع جدید بیروت؛ نہایہ؛ شرح ہدایہ)

اور دیگر شارحین ہدایہ کی نقل کردہ روایتوں کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ ایک تو وہ محدث نہیں ہیں اور دوسرے وہ روایت کا ماخذ بھی بیان نہیں کرتے کہ کس محدث نے اس روایت کی تخریج کی ہے۔

2۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی، ہدایہ کے مصنف کے بارے میں لکھتے ہیں:

اگر حدیثے آوردہ نزد محدثین خالی از ضعفے نہ، غالباً اشتغال وقت آں استاذ در علم حدیث کم تر بودہ است۔ (شرح سفر السعادۃ۔ ص 23۔ طبع منشی نول کشور لکھنؤ)

صاحب ہدایہ ایسی احادیث نقل کرتے ہیں جو محدثین کے نزدیک ضعف سے خالی نہیں۔ غالباً ان کو علم حدیث سے زیادہ اشتغال اور دلچسپی نہیں تھی۔

3۔ جناب عبد الحی حنفی لکھنوی فرماتے ہیں:

إن الكتب الفقهيه و إن كانت معتبرة فى أنفسها بحسب المسائل الفرعية وكان مصنفوها أيضاً من المعتبرين و الفقهاء الكاملين لكن لا يعتمد على الأحاديث المقولة فيها اعتماداً كلياً و لايجزم بورودها وثبوتها قطعاً بمجرد وقوعها فيها فكم من أحاديث ذكرت فى الكتب المعتبرة و هى مو ضو عة مختلفة (مقدمہ عمدۃ الرعایۃ ص 13 تحت الدراسۃ الرابعۃ)

یعنی فقہ کی کتابیں اگرچہ فی نفسہ فروعی مسائل میں معتبر ہیں اور ان کے مصنفین بھی بلا شبہ معتبر اور فقہائے کاملین میں سے ہیں، لیکن یہ فقہاء اپنی کتابوں میں جو حدیثیں نقل کرتے ہیں، ان پر کلی اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور محض ان کتابوں میں کسی حدیث کا وجود اس کے ورود و ثبوت کے لئے کافی نہیں، کیونکہ کتنی ہی احادیث ہیں جو (فقہ حنفیہ) معتبر کتابوں میں درج ہیں لیکن وہ موضوع (گھڑی ہوئی) ہیں۔

